U 75411 P Date - 14-12-07

Title - TANZIYAAT-O-MUZHAKAAT

Creator - Rasheed Ahmad Siddique.

Publisher - Hindustani Academy (Allahabad).

Date - N.A.

Pages - ~~139~~ 2 ~~29~~ +6.

Subjects - Urdu Adab - Tanazz-o-Muzah.

طنزیات و مضحکات

رشید احمد صدیقی

ہندستانی اکیڈمی صوبۂ متحدہ، الہ آباد

طنزیات و مضحکات

(اردو)

رشید احمد صدیقی

ہندستانی اکیڈمی صوبۂ متحدہ، الہ آباد

Published by
The Hindustani Academy, (U.P.)
ALLAHABAD

M.A.LIBRARY, A.M.U.
U75411

Printed by
S. S. Srivastava at the K. P. Press,
ALLAHABAD

اپنے "کالج" کے نام

(جسکے فیضان نے کسی دوسرے کے فیضان کا محتاج نہ رکھا)

عرض حال

اس مقالہ کی ترتیب و تدوین کی شان نزول عبرت ناک حد تک دلچسپ ہے یعنی یہ فہمائش پر لکھی گئی ' فرمائش پر طبع کرائی گئی اور .... بخشائش کی توقع ہے!

اسے لوگ مختلف نظروں سے دیکھیں گے ' دوست خوش ہونگے دشمن ناخوش اور ایماندار خاموش .... ہمارے مخاطب صحیح ان میں سے ایک بھی نہیں ۔ مخاطب صحیح مرشد ہیں جنھوں نے ایکبار شدید گرسنگی اور نیم غنودگی کی حالت میں فرمایا '' میاں ' دیکھو '' کوہ کندن و کاہ بر آوردن '' اور '' گور کندن و استخوان بر آوردن '' دونوں مہمل ' زندگی کی تعبیر قضا سے کی جاتی ہے نہ کہ واقعات و حادثات سے '' اتنا ہی کہکر خراٹے لینے لگے اور رشد و ہدایت کا دروازہ ' ہم پر بند ہو کر ان لوگوں پر کھل گیا جن کی زبان ہماری زبان سے بالکل مختلف تھی اور شاید سماعت ہماری سماعت سے زیادہ بطی الحس!

حتی الوسع مرشد کی ہدایت پر عمل کرنے کی کوشش کی گئی ہے ۔ نئی دنیا کی قضا پیش کی گئی ہے نہ یہ کہ کولمبس کیا تھے کون تھے اور کیا ہوئے ۔ اس مقالہ کی ترتیب و تدوین میں یہی اصول مد نظر رکھا گیا ہے - جہاں تک ایشیائی زبانوں

کا تعلق ہے (گو ایشیائی زبانوں میں میری معلومات اُردو ' فارسی اور ایک مشتبہ حد تک عربی ہی تک محدود ہیں) تاہم اس کا کیا علاج ' جب تک اپنی معلومات یا تجربات کو ساری کائنات پر محیط نہ سمجھئے (واقعہ کی صحت یا عدم صحت ' کا سوال نہیں) اس وقت تک نہ اپنا نفس خوش ہوتا ہے نہ دوسروں پر رعب پڑتا ہے ' طنزیات کا فن اور ادب بالکل ابتدائی مراحل میں ہے ابتدائی مراحل کو یہاں " ناقص " کا مرادف ہے تاہم بعض وقت ناقص کو ناقص کہنا انشاپردازی اور بھلمنساہت دونوں کے منافی ہوتا ہے اور ان میں سے کم سے کم ایک جزو ضرور ایسی چیز ہے جس کا میں حامل نہیں تو مؤید ضرور ہوں -

لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ اگر طنزیات و مضحکات کے فن اور انشا و ادب کو ہندوستان میں کبھی ایسا فروغ نصیب ہوا جو دیگر مکمل اور ترقی یافتہ زبانوں کے مقابلہ میں قابل اعتبار و اعتنا ہو تو اُس کی حامل یقیناً اُردو ہوگی - اُردو کی طرف سے لوگ مایوس ہیں لیکن لوگوں کی مایوسی اکثر فیشن ' مراق اور افلاس کے باعث بھی ہو سکتی ہے - فن اور ادب کبھی مایوس نہیں ہوتے - میں تفصیل میں پڑنا نہیں چاہتا - یہاں بحث صرف طنزیات و مضحکات سے ہے - اس وقت اِس کے اچھے لکھنے پڑھنے والے موجود ہیں اور ایسے اچھے کہ وہ جبراً یا اخلاقاً بھی مایوس ہونا نہیں چاہتے - جب اُردو مایوس نہیں تو اُردو لکھنے پڑھنے والے کیوں مایوس ہوں -

میں نے ابھی کہا تھا کہ طنزیات کا فن اور ادب اُردو میں ابھی ایک حد تک ناقص ہے - ناقص ہونے کے یہ معنی نہیں کہ جو ذخیرہ ہمارے پاس موجود ہے وہ برا ہے - ناقص سے میری مراد ' نا مکمل ' سے ہے - جیسی اب سے کچھہ قبل بڑی حد تک ہماری اُردو شعر و شاعری تھی اور اب بھی ہے لیکن صرف کسی حد تک - مجھے اُمید ہے کہ وہ دن دور نہیں اور اتنا دور تو یقیناً نہیں ہے جتنا کہ آزادی هند ' جب اُردو میں طنزیات ' مضحکات اور مطائبات کا پایہ کم سے کم اُس سے تو بلند تر ہوگا جتنا لیگ آف نیشنس (انجمن اقوام) میں آج ہندوستان کا ہے !

غرض کہ جس طرح طنزیات کا فن اُردو میں ابھی " ناقص " یا " نامکمل " ہے ٹھیک اسی طرح یہ مقالہ بھی ناقص یا نا مکمل ہے - ورنہ شاید فن سے کامل ہم آهنگی نہ ہو سکتی ! اُس میں بعض حضرات کا ذکر جہاں ضرورت سے زیادہ بڑھ گیا ہے وہاں بعضوں کا ذکر ہی سرے سے نہیں آیا - کمی بیشی کو متوازن رکھنے یا کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے - سنتے ہیں موہنجودارو کے قریب ایک افیونی رہتے تھے - ایک دن معلوم نہیں جی میں کیا سمائی کہ روزہ رکھہ لیا ابھی پورے طور پر دن بھی نہیں چڑھا تھا کہ اُن کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تھوڑی دیر تک تو انتظار کرتے رہے -

بر کفے جام شریعت بر کفے سندان عشق

آخر میں شبنم حیات کا ایک گھونٹ لے ہی لیا ' اور انتہائی قطعیت کے ساتھہ بہ لحن نون غنہ فرمایا '

'' روزہ رکھنے کا ثواب، اور روزہ توڑنے کا عذاب برابر ' اور یاروں کا روزہ مفت ! '' اگر یہ فیصلہ صحیح ہے تو یہ واقعہ بھی غلط نہیں ' کہ ۔

بعض لوگوں کا تذکرہ ضرورت سے زیادہ طویل اور بعضوں کا سرے سے غائب ' دونوں برابر اور یاروں کی تصنیف مفت ! انشاپردازی کا '' یہ تاریخی '' نہیں '' مساحتی '' تصور ہے مولانا محمد علی مرحوم ' مولوی ولایت علی (بمبوق) مرحوم ' چودھری محمد علی رو دولوی کے مضامین باوجود تلاش کے دستیاب نہ ہو سکے اور جو ملے وہ ٹھیک ٹھیک طنزیات کے تحت میں آتے نہ تھے اس لیے نظر انداز کردئیے گئے ۔

مجھے اس مقالہ کے ترتیب میں اپنے بعض عزیز دوستوں اور بزرگوں سے نہایت گرانقدر مدد ملی ہے - امداد کی نوعیتیں مختلف تھیں مثلاً کسی نے بات بتائی ' کسی نے تردید کی ' کسی نے مسودہ دیکھا ' کسی نے پروف پڑھا ' کسی نے غلط نامہ مرتب کیا ' کسی نے واہ واہ کی ' کسی نے کام جاری رکھنے اور ختم کرنے پر مسلسل اصرار کیا ' کسی نے قرض دیا اور نہیں مانگا اور کسی نے قرض لیا اور نہیں دیا ۔

اسماء گرامی حسب ذیل ہیں (علی الترتیب نہیں !)

۱ ۔ ڈاکٹر ذاکر حسین خاں ' ام - اے ' (علیگ) ' پی - اچ - ڈی - دہلی ۔

۲ ۔ اصغر حسین صاحب اصغر ' مدیر ہندستانی ' ہندستانی اکیڈیمی الہ آباد ۔

۳ ـ خواجه منظور حسین ' (ام - اے ' علیگ) ' بی - اے
(آکسن) علی گڑہ ـ

۴ ـ سید بشیرالدین احمد ' ام - اے ' (علیگ) -
اسسٹنٹ لائبریرین علی گڑہ ـ

۵ ـ مولانا ابوبکر محمد شیث فاروقی صاحب ' ناظم
دینیات ' علی گڑہ ـ

۶ ـ ڈاکٹر اصغر علی حیدر ' بی - اس سی '
پی ایچ - ڈی علی گڑہ ـ

۷ ـ حکیم شیخ محمد ممتاز حسین ' اڈیٹر اودہ پنچ '
لکھنؤ ـ

۸ ـ ڈاکٹر عبادالرحمن خاں ' بی - اے ' پی ایچ - ڈی '
علی گڑہ ـ

۹ ـ آل احمد سرور ' بی - اے ـ مدیر علی گڑہ میگزین
علی گڑہ ـ

زبان سے انکا شکریہ ادا کرچکا ہوں اب قلب اور قلم سے
دعائیں نکلتی ہیں ..

شرف قبول کا ملتجی و منتظر
رشید احمد صدیقی
مسلم یونیورسٹی علی گڑہ

فہرست کتب محولہ

مقالہ زیر نظر کی ترتیب میں حسب ذیل کتب سے استفادہ کیا گیا ہے

1. لباب الالباب
2. تذکرہ دولت شاہ سمرقندی
3. منتخب لطائف عبید زاکانی
4. The Press and Poetry of Modern Persia by E. G. Browne.
5. History of Persian Literature by E. G. Browne
6. Biographies of Persian Poets by ,, ,,
7. Essays on the origin and Progress of Satire by Dryden.
8. English Satires by Smeaton.
9. Selections from the British Satirists by Cecil Headlam.
10. Satire by Cannan.
11. شعرالعجم از علامہ شبلی نعمانی
12. تذکرہ خندۂ گل مرتبہ مولنا عبدالباری آسی صاحب
13. متعدد رسائل اور متفرق مضامین اُردو

اُردو طنزیات و مضحکات

'' ایک سڑر کو اِس سے بھي زیادہ مکروہ شکل میں پیش کرنا جیسا کہ خود خدا نے اس کو بنایا ھے طنز یا تضحیک (سٹائر) ھے - ''

(چسٹرٹن)

'' بعض تعریفیں (Definitions) صحیح ھوتي ھیں اور بعض محض دلچسپ، لیکن سب سے زیادہ موثر وہ ھوتي ھیں جو برجستہ ھوں - ''

(مرشد)

الثباہ :—'' از دشنام گدایاں وسیلئي زناں و زباں شاعراں و مسخرگاں مرنجید - ''

(عبید زاکاني)

ھماري آپ کی جان سے دور، قرونِ اولیٰ میں یونانیوں کے دو مقتدر دیوتا تھے، اِلٰھۃ الفلاحت اور اِلٰھۃ الخمر اور حقیقت یہہ ھے که اس دور کي خصوصیات اور میلانات کو مدنظر رکھتے ھوئے اِن دو دیوتاؤں کے علاوہ ذھنِ انساني میں کسي اور کي گنجائش بھي نہ تھي - انسان واھمہ‌پرست اور خلقتاً کمزور واقع ھوا ھے، اِس لئے کسي طاقتور (یا مافوق العادت) ھستي کا سہارا ڈھونڈھنا اُس کي فطرت ھے - ھر وہ وحشي یا نیم وحشي انسان جس کو اپني ضرورت کا احساس تھا اپنے فکر اور عمل کے اعتبار سے مذھبي یا توھم‌پرست تھا اور اب بھي ھے اور حقیقت یہہ ھے کہ انسان اپني انتھائي تہذیب اور ترقي کے باوجود آج بھي توھم‌پرست ھے، وہ صرف مخلوق خداوند کا معتقد ھے -

انسان کے عہد اولین میں یقیناً ایسے مواقع بھی آتے ہوں گے جب اُس کو ہر قسم کی عافیت اور کامرانی نصیب ہوتی ہوگی، مثلاً غلہ پکنے کا وقت، خرمن جمع کرنے کا موقع، موسم کا اعتدال، فضا کی دلکشی، صحت یا خوشگواری وغیرہ، اُن مواقع پر اُس کی مسرت اور نشاط میں ایک طرح کا ہیجان ہوتا ہوگا اور وہ معمولی سے زیادہ اُس کا اظہار کرتا ہوگا - ظاہر ہے یہی مواقع رفتہ رفتہ عید الجماعت میں منتقل ہوتے ہوں گے -

ہر عید یا تہوار اپنے وجود کے اعتبار سے دو پہلو رکھتا ہے، ایک مذہبی، دوسرا تفریحی - کسی تہوار کی مثال لے لیجئے اُس کی تاریخ اس حقیقت کی ترجمان ہوگی، دن کا کچھ حصہ عبادت یا نذر نیاز میں اور بقیہ سیر و تفریح، ملنا جلنا، دید و بازدید میں صرف ہوتا ہے - ان حالات کے ماتحت آپ اہالیان یونان کی ابتدائی زندگی کا جائزہ لیں، اُن کے دو مخصوص اور محبوب دیوتاؤں الٰہۃ الفلاحت اور الٰہۃ الخمر تھے، جن کے نام پر نذریں اور قربانیاں تہدیہ کی جاتی تھیں - اِس نذر نیاز کا بیشتر حصہ غلہ اور شراب ہوتا تھا - یہہ مراسم ختم ہو لیتے تو رنگرلیوں کا دور آتا جس میں عورت، مرد، بچے، بوڑھے، جوان، سب ہی شریک ہوتے - ہنسی، دلگی، مذاق، تمسخر، پھکڑبازی، طعن و طنز، سب و شتم، برہنگی و بے راہ روی، سب ہی کچھہ ہوتا، جن کو آج آپ آرٹ اور آزادی سے بھی موسوم کر سکتے ہیں اور بربریت اور بے حیائی سے بھی، فرق صرف زمان و مکان کا ہے، افعال و افکار کا نہیں -

طنزیات کی ابتدا اِنہیں بدمستیوں اور بڑھکیوں سے ہوئی ہے ۔
یہاں اس امر کا بھی جائزہ لے لینا چاہئے کہ یہہ ہنسی دلگی
یا سب و شتم کس نوعیت کا ہوتا ہوگا ؟ غالباً اس حقیقت سے
کسی کو انکار نہ ہوگا کہ جب انسان کے جذبات میں تموج ہوتا ہے
اور اس پر ایک ہیجانی کیفیت طاری ہوتی ہے اُس وقت اُس کا
لب و لہجہ ہی نہیں بدل جاتا بلکہ ایسی حالت میں اُس کے
لب و زبان سے جو کلمے ادا ہوتے ہیں وہ اپنی ترکیب اور بندش
کے اعتبار سے بھی مختلف ہوتے ہیں ؟ لب و لہجہ اور ترکیب و بندش
کی یہہ عجیب نوعیت ؟ فن شعر و شاعری میں ایک نمایاں حیثیت
رکھتی ہے جس کا اصطلاحی نام ہم نے اوزان اور قافیہ اور ردیف
رکھ دیا ہے ؟ آواز اور الفاظ کی اُنہیں مختلف نوعیتوں کو ہم موسیقی سے
بھی تعبیر کرتے ہیں ۔ یہہ اصطلاحی اوزان در حقیقت ہمارے متلاطم
جذبات کے اوزان ہیں جن سے ہم گریز کر سکتے ہیں ؟ لیکن انکار
ناممکن ہے ؟ چنانچہ عہد قدیم کے یونانی اُنہیں رنگ‌رلیوں میں
جو طعن و طنز ؟ سب و شتم ؟ ہنسی دلگی ؟ پھکڑ یا فحاشی پر
مشتمل ہوتی تھیں ایک قسم کے بے ربط وزن کا بھی التزام ہونے لگا
جس نے مرور ایام سے نظم کا جامہ اختیار کر لیا ۔ یہی سبب ہے
کہ یونان اور روم کے جتنے مشہور ہجوگو ہوئے وہ سب کے سب
شاعر تھے ۔ عربوں کے یہاں بھی ہجو کی تعریف و تشریح
میں جو کچھہ کہا گیا ہے وہاں نظم کی شرط ایک حد تک
لازمی قرار دے دی گئی ہے ۔ عربوں میں ہجا سے مراد وہ اشعار ہیں
جن میں کسی قوم ؟ کسی فرد ؟ کسی جماعت یا کسی کی منقصت
کی گئی ہو ۔

موجودہ ناقدین میں یہہ امر متنازعہ فیہ ہے کہ اہالیان روم نے یونانیوں سے طنزیات اخذ کیا یا یہہ خود انہیں کے افکار دماغ کا نتیجہ ہے - جولیس اسکیلیگر (Julius Scaliger) رومن اور لاطینی طنزیات اور ھنسی‌اس (Heinsius) اول الذکر خیال کے علمبردار ہیں ؛ ریگل شی اس (Regaltius) اور کیسبن (Casaubon) موخر الذکر نظرئے کے معتقد ؛ لیکن قبل اِس کے کہ اُن عقائد سے بحث کی جائے اِس امر کا اظہار ضروری ہے کہ لعن و طعن یا سب و شتم ہر قوم میں خود بخود نشو و نما پاتے ہیں - اِس لئے یہہ بحث کہ اس فن کو اہالیان روم نے یونان سے حاصل کیا یا اسباب خاص میں یونانی اہالیان روم سے مستفید ہوئے ایک حد تک بے سود اور غیر متعلق ہے - اسکیلیگر کو اصرار ہے کے یہہ چیز یونان سے روم کو منتقل ہوئی اور ثبوت میں یہہ حقیقت پیش کرتا ہے کے لفظ سطائر (Satire) طنز یا ہجو کے مفہوم میں سطیرس (ایک قسم کا مختلف الاعضا جانور) یا بقول دیگر الٰہۃ الفلاحت سے (جس کی ہیئت بکرے اور آدمی کی شکل سے مرکب تھی) ماخوذ ہے - دوسری طرف کیسبن اور اُس کے مقلّدین اِس مفہوم سے اپنی بیزاری کا اظہار کرتے ہیں - کیسبن کا دعوی ہے کہ سطیرس سے سطیرا نظم کے مفہوم میں اخذ نہیں کیا جاسکتا ؛ کیونکہ سطیرا اسم نہیں بلکہ صفت ہے ؛ نظر براں اُس کو سطائر نہیں بلکہ سطائری کہہ سکتے ہیں ؛ دوسری طرف یہہ حقیقت بھی فراموش نہ کرنی چاہئے کہ الٰہۃ الخمر اور الٰہۃ الفلاحت کے لئے سال کی اولین مختلف زرعی پیداوار ایک چلنگیر میں بطور نذر اور تہدیہ پیش کی جاتی تھیں - اِس چلنگیر کو (Satura laux) کہتے تھے - نظر براں "سطائر" کا مفہوم ایک ایسی نظم سے بھی

وابستہ کیا جا سکتا ہے جس میں مختلف اقسام کی پست اور رکیک طعن و طنز مختلف بحروں میں ادا کی جاتی ہوں -

یونانیوں کے یہاں ایک اور چیز بھی تھی جسے وہ سلّی (Silli) کہتے تھے ؛ یہہ ایک طرح کی دشنامی نظم ہوتی تھی اور رومن سطائر سے مشابہہ تھی - طیمون (Timon) نے جو سلّی لکھی تھی اُس کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اُس زمانہ میں پروڈیز (ایک قسم کی مضحک تضمین) بھی مقبول تھی جس میں کسی معقول اور سنجیدہ نظم کے الفاظ اور جملوں کو اُلٹ پھیرکر مضحک بنا دیتے تھے - لیکن اُس کے ساتھہ اِس امر کو بھی ملحوظ رکھنا چاھئے کہ یہہ صنف کلام اھالیان روم میں بھی عام تھا - آسونیس (Ausonius) نے جو قطعات لکھے تھے اُس میں ورجل (Virgil) کے الفاظ اور جملوں کو اُلٹ پھیر کر پوری نظم کو مضحک بنا دیا تھا - لسان العصر اکبر مرحوم کی بعض نظمیں بھی اِس قسم کی ھیں جن میں حافظ کے بعض اشعار یا غزلوں کو اِس طور پر اُلٹ پلٹ دیا ہے اور ایسے مصرعے چسپاں کر دئے ھیں کہ پوری نظم دلچسپ اور مضحک بن گئی ہے - قونطلین (Quintilian)) اور ھوریس (Horace) کا یہہ بھی دعویٰ ہے کہ طنزیات کی تکوین اور نشو و نما لاطینی فضا میں ہوئی ہے اور وھیں سے یہہ یونان کو منتقل ہوئی ھیں -

طنزیات کے سلسلہ میں اب تک جو کچھہ بیان کیا گیا ہے اِس سے ایک طور پر یہہ بھی اخذ کیا جا سکتا ہے کہ فی الحقیقت ڈراما اور تھئیٹر کے اولیں اشارات اُنھیں رنگ‌رلیوں ؛ قربانیوں اور فحاشیوں سے وابستہ ھیں جو تمدن اور معاشرت کے عہد اولیں

میں برسرکار تھیں اور یہہ کچھہ تھیٹر اور ڈراما ھی پر منحصر نہیں ھے بلکہ خود موجودہ عہد کے جنگلی مہذب یا غیر مہذب رسمیں ؛ مذھبی یا روائتی عید یا تیوھار ھیں اُن سب کا تاریخی اور نفسیاتی پہلو ؛ عہد اولین کے اُنھیں معتقدات نظری یا عملی سے وابستہ ھیں -

مرور ایام سے معاشرت اور مذاق میں بھی انقلاب پیدا ھوا ؛ اور وھی چیز جو کسی وقت غیر مرتب اور غیر منظم صورت میں موجود تھی نسبتاً مرتب اور منظم نظر آنے لگی - فیسنائین (Fescennine) جو کسی وقت وزن اور قافیہ سے بالکل معرا تھی ؛ اب اِن صفات کی حامل ھوکر زیادہ وسیع اور مقبول بن گئی - یہاں تک کہ جولیس سیزر نے جب گالس پر فتح پائی اُس وقت یہہ عسکریوں کی زبان پر تھی ؛ لیکن ابھی اُس کو وہ رتبہ نہیں نصیب ھوا تھا کہ مہذب حلقوں میں باریاب ھو سکتی - لیکن کچھہ بعد زمانہ کے تصرّف سے اُن پر کسی قدر تمیز و تہذیب کا عمل ھوا اور رفتہ رفتہ فحش اور سوقیانہ عنصر بالکل حذف کر دیا گیا - یہہ گویا طربیات کے علم و فن کا بحیثیت علم و فن کے اولین سنگ منزل تھا ؛ روم کے اسٹیج پر طربیات کو ایک مستقل وجود کی شکل میں پیش کرنے کا سہرا لوی اس انڈرونیقاس (Livous Andronicus) کے سر ھے - یہہ ایک یونانی نژاد غلام تھا جس کو اُس کے آقا نے روم کے آزاد شہری بن جانے کا شرف عطا کیا تھا - انڈرونیقاس اپنے وطن کے طور طریقے مطالعہ کرچکا تھا ؛ اِس لئے روم کے اسٹیج پر بھی اُس نے اُنھیں خد و خال کو نمایاں کرنا شروع کر دیا جو یونان کے امتیازی خصوصیات تھے - بعضوں کا تو یہاں تک خیال ھے کہ روم میں اِس نے یونانی اسٹیج کے طور طریقے ھی نہیں نمایاں کئے بلکہ یہاں کے طرز انشا اور طریقۂ تصنیف پر بھی یونانی نقوش ثبت کر دئے - اِس نظریہ

کے تسلیم کرنے میں یوں تامل نہیں کر سکتے کہ اُس کی بزمیہ (کومیڈی) ارسطافینس کی تصانیف کی آئینہ ہے - اِس طور پر گویا روم کی تاریخ طلزیات میں تین مراحل نہایت نمایاں نظر آئیں گے -

(۱) وہ طعن و طنز جو ابتدا میں محض برجستہ فحاشی، پھکڑ اور رنگ رلیوں پر مشتمل تھی،

(۲) وہ درمیانی زمانہ جب طنزیات میں سے فحش اور سوقیانہ عنصر حذف کر دیا گیا اور ہر قسم کی بے محابا رنگ رلیوں میں کسی قدر سلاست اور سنجیدگی پیدا ہو گئی تھی - یہہ گویا ایک قسم کی بے ہنگام نقالی اور ہزالی کا دور تھا جس میں نہ تو ابتدائی عہد کی فحاشی اور رکاکت تھی اور نہ بعد کے تماشوں کی تہذیب اور تنظیم -

(۳) لوی اِس اندرونیقاس کا دور جس نے طنزیات کو ایک مستقل حیثیت دے کر اسٹیج کے قابل بنا دیا اور جس کے متعلق یہہ بھی دعویٰ کیا جاتا ہے کہ اُس نے یونانیوں کی قدیم بزمیہ کا احیاء کیا -

لوی اِس اندرونیقاس کو روم میں اسٹیج قائم کئے ہوئے ابھی نہایت مختصر زمانہ گذرا تھا کہ اینی اس (Ennius) پیدا ہوا - اُس نے اپنے ہموطنوں کی ذہانت اور طباعی کا پورے طور پر احساس کیا اور اِس نتیجہ پر پہونچا کہ جہاں تک طنزیات کا تعلق اسٹیج سے تھا اُس کی بعض نوعیتیں قابل گرفت تھیں - نظر بریں سب سے پہلے اُس نے یہہ اصلاح پیش کی کہ رکاکت اور عامیانہ پن

کا مذصر کلیتاً حذف کرکے اُس کو لطیف اور سلیس‌تر بنا دیا جائے - اُس نے یہہ التزام بھی کیا کہ آیندہ سے اُس میں علمی آب و رنگ کا اضافہ بھی کر دینا چاھئیے - بالفاظ دیگر اُس کو ایسا جامہ پنھانا چاھئیے کہ اُس کا مشاہدہ ھی نہیں بلکہ مطالعہ بھی کیا جا سکے - اندرونیقاص کی تمام تصانیف اِن اساسی اصلاحات کی حامل ھیں -

ڈیسیر (Dacier) کا خیال ھے کہ اینی اس کے سامنے لویس اندرونیقاص کی تصانیف نہ تھیں جس کی تمامتر بنیاد یونانی بزمیہ پر تھی بلکہ یہہ رومن سطائر کا خوشہ چین ھے - لیکن ڈرائڈن کو اِس نظریہ سے اختلاف ھے - اُس کا بیان ھے کہ اینی اس کی تصانیف کا ماخذ یونانی بزمیہ اور اُس کی دلنشین نوک جھونک ھے جس کا مظہر اندرونیقاص کی تصانیف تھیں - دوسری طرف یہہ حقیقت بھی فراموش نہیں کی جا سکتی کہ اینی اس کو اطالوی تھا لیکن یونانی السنہ کا زبردست عالم تھا - یہاں تک کہ اُس کا عقیدہ تھا کہ ھومر کی روح نے اُس کے کالبد کو اپنا نشیمن بنا لیا تھا - نظر براں یہہ تسلیم کرنا حقیقت سے دور ھوگا کہ اُس نے اپنے ھموطنوں کے مزخرفات اور دھقانیت سے استفادہ کرنا کبھی گوارا نہ کیا ھوگا - بہر حال اُس نے یونانی بزمیہ سے استفادہ کیا یا اُن بےمحابا اور بےھنگام نقالیوں یا فحاشیوں سے فائدہ اُٹھایا ھو جو روم میں عروج پر تھیں - یہہ امر مسلمہ ھے کہ اینی‌اس رومن طنزیات کا اولیں مصنف ھے -

اینی اس کا بھانجا لوسی لیس (Lucilius) اس کے بعد پیدا ھوا ؛ اِس لئے اپنے ماموں ھی کے نقش قدم کو اپنا خضر راہ بنایا - یہہ بھی ممکن ھے کہ اینی اس نے اُس کی تعلیم و تربیت

اپنے مخصوص نہج پر کی ہو - لوسي ليس کے دوران حیات ھی میں بقوویس (Pacuvius) نمودار ہوا - اس نے اِسی یونانی بزمیہ کو لطیف تر پیرایہ سے اختیار کیا جس کا اولین رومن طنزیات میں اندرونیقاص کے عہد تک وجود نہ تھا - ہوریس کا خیال ھے کہ لاطینیوں میں اولین طنزی شاعر لوسی لیس ھے - لیکن ڈرائڈن کا بیان ھے کہ اُس نے ایلی اس کی طنزیات میں صرف ایک قسم کا بانکپن پیدا کر دیا تھا - اور یہ خیال بعید از قیاس ھے کہ خود لوسي لیس نے کسي قسم کی طنزیات وضع کي - مگر زمانہ کي رفتار کے ساتھہ ساتھہ جوں جوں رومن زبان زیادہ سنجیدہ اور سلیس ہوتي گئي اُس میں یونانی زبان کي شیریني اُور لطافت قبول کرنے کي صلاحیت بڑھتي گئي ؟ بایںہمہ ہوریس اور قونطلین دونوں لاطینی طنزیئین میں لوسي لیس کو فضل تقدم دیتے ھیں -

یہاں طنزیات کی ایک دوسري صنف کو بھي بیان کر دینا مصلحت سے خالي نہ ہوگا ؟ طنزیات کی یہہ قسم بھی قدما کي میراث ھے اور اُنھیں سے منتقل ہوتي آئي ھے - عام طور پر اُس کو وارونی طنزیات کے نام سے موسوم کرتے ھیں لیکن وارو (Varro) جس سے اس قسم کي طنزیات وابستہ کی جاتي ھے اُس کو مینپی (Menippian) بتاتا ھے - روم کي دنیاے ادب میں وارو علامۂ اجل تصور کیا گیا ھے - یہہ مینیپس (Menippus) کا متبع تھا جو فلسفہ کلبي کا معتقد تھا - ایلي اس کي طنزیات کی مانند وارونی طنزیات میں نہ صرف مختلف اقسام کي نظمیں شامل تھیں بلکہ اُس میں نثر کي بھي آمیزش تھي - وارونی طنزیات اب تقریباً لاپتہ ھیں

سوا ان چند مختلف اجزا کے جو اپنے مفہوم اور معنی کے اعتبار سے بالکل مسخ ہو چکے ہیں - خود وارو کا بیان ہے کہ اُس نے اپنی تصانیف میں نہ صرف مطائبات اور مضحکات کو دخل دیا ہے بلکہ اُس میں فلسفہ کے پیچیدہ اور دقیق مسائل بھی داخل کردئے ہیں وارو کے متبعین میں سے ایک بطرونیس اربطار (Petronius Arbiter) ہے جس کی تصانیف کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ہالینڈ میں شائع ہوئی ہیں دوسرا سینیکا (Seneca) ہے جس کی متعدد تصانیف مثلاً کلاڈیس (Claudius) اور سمپوزیم (Symposium) وغیرہ ہیں - دور جدید میں اریسمیس (Erasmius) اور بارکلے وغیرہ گزرے ہیں - انگریزی ادب میں وارونی اتباع کا پہلو کہ اس میں نثر کا حصہ بھی شامل ہوتا تھا صرف اسپنسر (Spenser) اور ڈرائڈن (Dryden) کے بعض تصانیف میں نظر آتا ہے -

رومن طنزیات کے بعض اہم پہلوؤں سے آشنا ہونے کے بعد یہ ضروری ہے کہ چند مشہور اور مستند لاطینی طنزیئین مثلاً ہوریس '

جوونل اور پرسي اس کے طرز کلام پر ایک مختصر تنقیدی نظر ڈال لی جائے تاکہ آیندہ	ہوریس ' جوونل اور پرسی اس

ان لاطینی طنزیئین کے تذکرہ کا جب موقعہ آئے اور ان کا حوالہ دیا جائے تو مفہوم آسانی کے ساتھ ذہن نشین ہوسکے -

اسیمٹن (Smeaton) کا قول ہے کہ ہوریس جوونل اور پرسی اس ہر ایک نے کم و بیش لوسی لیس (Lucilius) کے طنزیات سے استفادہ کیا ہے - ہوریس نے اس فن کو اوج کمال پر پہونچا دیا - اُس نے لوسی لیس کی طنزیات کو ان مخصوص حالات اور

واقعات رسم و رواج اور طور و طریقہ کا ہم آہنگ بنادیا جو عہد آگسٹس (Augustus) کے امتیازات خصوصي تھے - هوریس نے اپنے سنجیدہ اور شگفتہ مذاق طعن و طنز میں ایک قسم کا مذہبي تقدس پیدا کر دیا تھا - آگسٹس کے عہد حکومت میں غیر ملکي عنصر جسقدر غیر ملکي عنصر پر غالب هوگیا تھا اور روم کي مہتم بالشان سیرت خصوصی پر جیسا کچھہ اُس کا مذموم اثر پڑ رہا تھا ' هوریس نے اُن پر نہایت دلگداز حملے کئے هیں - کبھي یہ محسوس هوتا هے کہ وہ اس طغیان اور عصیان کا ایک ناقد اور مبصر کي حیثیت سے مطالعہ کررها هے؟ کبھي یہ معلوم هوتا هے کہ وہ خود اس عصیان زار میں گردش کھا رہا هے - اس کے بعد یکایک اُس کا لہجہ بدل جاتا هے اور وہ سوسائٹي کي سفاهت اور شقاوت اور اُس کي بے بصري کا ماتم کرنے لگتا هے جو مسائل حیات کي حیات بخش پاکیزگیوں کي طرف سے برتے جاتے تھے - هوریس کا یہہ نمونہ اکبر مرحوم کے کلام میں ملتا هے - هوریس کے مانند اکبر مرحوم بھي اسطور پر کہتے تھے گویا صرف مذاق و مزاح کو دخل دے رهے هیں - وہ سب کچھہ هنس هنس کر اور هنسا هنسا کر کہتے سنتے تھے -

پرسي‌اس (Persius) فلسفہ زینوني کا معتقد تھا - اس کي تمام‌تر تصانیف اسي عقیدہ کي ترجمان هیں - وہ صداقت کا علمبردار تھا وہ بھي اسطور پر کہ اُس کے هر لفظ سے خلوص اور سنجیدگي کا اظہار هوتا تھا - رومن طنزیات کي تزیئین اور تہذیب کا سہرا پرسي اس هي کے سر هے - اور یہ پہلا شخص هے جس نے اس راز کا انکشاف کیا کہ طنزیات کي کامیابی اور کمال کے لئے لازم هے کہ صرف ایک هي موضوع اور مضمون هو - ایک فرد خاص هو جس میں

اگر دوسرے عیوب ظاہر بھي ھوں تو محض سرسري طور پر سرزنش کر دیجائے - پرسي اس کے وضع کئے ھوئے یہ وہ اصول تھے جنکی پیروی انگریزي ڈراما نے کي ھے یہاں بھي صرف ایک ھي ترتیب اور تنظیم ھوتي ھے اور ایک ضمني پلاٹ ھزل اور نقالي کا بھي ھوتا ھے تاھم وہ اصل واقعہ یا موضوع سے رھلمس رھتا ھے - ھوریس کے یہاں یہ خصوصیت نہیں پائي جاتي ؛ لیکن اُس کے متبعین اِسي سلسلہ میں یہ دلیل پیش کرتے ھیں کہ اُس کے یہاں وحدت اور یکتائي موضوع کی یوں ضرورت نہ تھي کہ "سطائر" کا لفظ ھي عبارت ھے ایک ایسے طباق یا چلگھر سے جس میں مختلف اقسام کا غلہ اور پھل ھو - پرسي اس نے رومن ڈراما میں جو جدت پیدا کي تھي اور جس کا تذکرہ اوپر کیا گیا ھے ؛ اُسی کو فرانس کے مشہور نقاد بوائلو (Boilean) نے بھي خضر راہ بنایا ھے - جوونل نے پرسي اس کي تقلید کي ھے یہ بھي محض ایک ھي نقص یا عیب کو مخصوص کر لیتا تھا اور اِسي کي سرزنش پر اپني پوري قوت صرف کرتا تھا - جوونل کي طنزیات اپني شعلہ‌نوائي اور خیطبانہ ھیجان و طغیان میں مثال نہیں رکھتیں - اِن خصوصیات کا وہ امام ھے - جوونل کا پیرایہ بیان انگلستان میں لینگلینڈ اور ھندوستان میں مولانا ابوالکلام کی تحریروں میں ملتا ھے - بلکہ یوں کہنا بھي حقیقت سے دور نہ ھوگا کہ اپنے اپنے طرز کے اعتبار سے لینگلینڈ اور مولانا ابولکلام ایک ھی وادی کے دو امام ھیں - لیکن لینگلینڈ اور جوونل کے زاویۂ نگاہ میں یہ فرق ھے کہ گو اِن دونوں کے نقوش پر تیرگي محیط ھے ؛ لیکن لینگلینڈ کے

ظلمت کدہ میں کبھی کبھی امید کی شعاعیں نظر آ جاتی ھیں دوسری طرف جوونل کي تاریک فضا امید کي طلعت ریزیوں سے بالکل بے نیاز ھے -

یہاں تک جو کچھہ بیان کیا گیا ھے وہ طنزیات کي شان نزول سے متعلق تھا - اب تک یہ کہیں نہیں بتایا گیا ھے کہ طنزیات یا ھجو و ھجا کي تعریف ظنزیات کي تعریف اور اُس کا ادبی مفہوم کیا ھے - کسي چیز کي تعریف پہلے بیان کرنا اور پھر اُس کي تشریح اور توضیح کردینا میرے نزدیک ایک ایسا اصول ھے جو ناقص بھي ھے اور نامکمل بھي - کسي واقعہ یا مسئلہ کو صحیح طور پر سمجھنے کے لئے لازمی ھے کہ سب سے پہلے وہ فضا پیش کر دي جائے اور وہ روایات پیش کردي جائیں جن کی ماتحت وہ واقعہ ظہور پذیرا ھوا ھو -

ھجا کا عام مفہوم تو یہ ھے کہ کسی شخص ، شے یا واقعہ کي برائي بیان کي جائے خواہ وہ جائز ھو یا ناجائز ، صحیح ھو یا غلط ، اُس کي مختلف نوعیتیں ھیں اور اُس میں سب و شتم ، طعن و طنز ، ھنسي ، ٹھٹول ، نوک جھونک ، فحاشي ، پھکڑ اور مغلظات سب آ جاتے ھیں - لیکن جب سے اُس کو ایک فن کي حیثیت حاصل ھوئي ھے اُس کا مفہوم بھي محدود کر دیا گیا ھے - "سطائر" (Satire) کا جو مفہوم انگریزي میں ھے اُس کي پوری اور صحیح ترجماني (ھماری یہاں کے کسي ایک لفظ میں) تقریباً ناممکن ھے - عربي اور فارسي میں اس موقعہ پر چند الفاظ استعمال کئے جاتے ھیں - مثلاً ھجو و ھجا ، ھجو ملیح ، تعریض ، تلقیض ، لعن و طعن ، طعن و طنز ، استہزا ، مذمت ، مضحکات

شطحیات جد و ھزل وغیرہ - ان الفاظ کے دینے سے یہ مقصود نہیں ھے کہ ان میں سے ھر ایک "ستائر" (سطائر) کا مترادف ھے - اکثر اُن الفاظ میں سے کوئی ایک لفظ (مناسبت موقع کے لحاظ سے) یا الفاظ کی ترکیب اختیار کی جاتی ھے -

راقم اسطور نے اُن میں سے صرف ایک لفظ طنز یا طنزیات (و مضحکات) اختیار کیا ھے یہ صحیح ھے کہ طنزیات سے بھی وہ مفہوم پورے طور پر ظاھر نہیں ھوتا جو "سطائر" میں مضمر ھے - لیکن اُس میں بھی شک نہیں کہ "طنزیات" کا مفہوم سطائر (Satire) کے مفہوم سے بڑی حد تک متجانس اور ھم آھنگ ھے - دوسری خوبی یہ ھے کہ اِس لفظ کے اختیار کرنے سے چند اور سہولتیں پیدا ھو جاتی ھیں جن کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا - اور کچھ نہیں تو اِس میں کافی اشتقاقی سہولتیں ھیں - بہر حال یہ ناموں کا اُلٹ پھیر ھے بہت ممکن ھے اِس سے بہتر لفظ دریافت یا وضع کیا جا سکے -

"سطائر" کی تعریف ھڈسن نے یوں کی ھے -

"یہ ایک قسم کی نظم ھوتی ھے جس میں کسی واقعہ یا عمل کا تسلسل نہیں پایا جاتا - جو ھمارے ذھن اور دماغ کو آلائشات سے پاک کرنے کے لئے وضع کی گئی ھے ؛ جس میں غلطیوں ؛ جہالتوں اور اُن دیگر عوارض کو جو اِن سے مرتب ھوتے ھیں ؛ فرداً فرداً مورد لعن و طعن قرار دیا جاتا ھے کبھی اُس کو بطور ڈراما دکھایا جاتا ھے اور کبھی یونہی پیش کیا جاتا ھے - بعض اوقات دونوں طریقوں پر ؛ لیکن اکثر اشارۃً و کنایۃً وہ بڑی پست اور بے تکلفانہ انداز سے ؛ طریق گفتار تیز اور تلخ ھوتا ھے ؛ اُس کے

علاوہ کچھ ظرافت اور تمسخر کی بھی رعایت رکھی جاتی ہے جس کا مقصد تفریحا تلخض یا ہنسی اور قہقہہ کا اکسانا ہوتا ہے۔"

در اصل یہ تعریف نہیں بلکہ تفصیل ہے اور تفصیل ہی نہیں بلکہ یہ ہوریس کی طنزیات کی تشریح ہے۔ یہ کچھ ضروری نہیں ہے کہ سطائر کا تعلق صرف ڈراما سے ہو یا صرف شعر میں ادا ہو یا طریق گفتار تیز اور تلخ ہو۔ دوسری طرف عربی میں ہجا سے وہ اشعار مراد ہیں جن میں کسی قوم، کسی فرد، کسی جماعت یا کسی زمانہ کی منقصت کی گئی ہو۔

لیکن یہاں اس امر کو خصوصیت کے ساتھ مدنظر رکھنا پڑے گا کہ جہاں تک ہجو و ہجا کا تعلق کسی قوم، فرد، جماعت اور زمانہ کی منقصت سے ہے، وہاں تک تو کسی کو انکار نہیں ہو سکتا اور یہ امر بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ ہجو و ہجا میں منقصت کا پہلو ہمیشہ نمایاں ہوتا ہے اور ہونا چاہئے۔ لیکن رومن، لاطینی اور عربی فضلا نے جو شرط شعر کی لگادی ہے وہ ایک بڑی حد تک غیر ضروری ہے، ہجو و ہجا کا ایک اضافی پہلو تو شعر ہو سکتا ہے، لیکن ہجو و ہجا کے لئے شعر کو لازمی قرار دے دینا کلیتاً دور از کار ہے۔

راقم السطور کا خیال ہے کہ عربی شعرا کے مانند رومن اور لاطینی شعرا بھی شعر سے مراد خیالات کی ندرت اور برجستگی لیتے تھے اور جہاں تک رومن اور لاطینی طنزیئین کا تذکرہ ہو چکا ہے میرے مذکورہ نظرئے کی تائید ہوتی ہے۔ رومن اور لاطینی طنزیات کی شان نزول بھی وہی بے محابا یا بر محل برجستگی ہے جس کو رومن، لاطینی اور عربی شعرا شعر و شاعری کا جزولاینفک

سمجھتے رہے ہیں۔ نظر براں عہد حاضر میں ہجو و ہجا سے شعر کی شرط اگر حذف کردی جائے تو کوئی قباحت لازم نہیں آتی اور یہی نہیں بلکہ اس شرط کو قائم رکھنے سے بہت سے مستند طنزئیں اس جماعت سے حذف ہوجاتے ہیں؛ روم اور یونان میں طنزیات کی ابتدا ایک قسم کے ڈرامے سے ہوئی تھی۔ اس لئے شعر کی قید ممکن ہے ضروری سمجھی گئی ہو؛ دوسری طرف عربی شعرا میں جن کا رخت حیات ہی شعر و شاعری پر مشتمل تھا۔ لیکن اردو طنزیئین ایک بڑی حد تک اس قید سے آزاد ہیں ان کا شمار جائز طور پر بہترین طنزی مصنفین میں ہوسکتا ہے۔

بقول تھیکرے، طنزی، حتی الوسع زندگی کے ہر شعبہ پر ناقدانہ نگاہ ڈالتا ہے اور مکر و فریب، رعونت و منافقت، حق و باطل کے خلاف اس طور پر جہاد کرتا ہے کہ بالاخر ہمارے جذبات مرحمت و محبت یا نفرت و حقارت کو تحریک ہوتی ہے اور ہم ان جذبات کو بر سرکار لانے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ مظلوم اور ناتواں کے لئے شفقت محسوس کرتے ہیں اور ظالم و جابر کو قابل نفرین و ملامت تصور کرتے ہیں۔

تھیکرے نے ہجو و ہجا کے باب میں جو اظہار خیال کیا ہے وہ ایک طور پر ہجو و ہجا کے عمل و اثر سے متعلق ہے اور در اصل ہجو و ہجا کے صحیفہ اخلاق سے تعلق رکھتا ہے۔ یہاں ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ ہجو و ہجا کی مسلمہ تعریف کیا ہے انگریزی ادبا اور فضلا کا ایک حد تک متفقہ خیال یہ ہے۔

"ہجو و ہجا (طنزیات کے مفہوم میں) کا مقصد یہ ہے کہ کسی بے ہنگام یا مضحکہ خیز واقعہ یا حالت پر، ہمارے جذبۂ تفریح یا نفرت کو تحریک ہو بشرطیکہ اس ہجو و طنز میں ظرافت

یا خوش طبعي کا عنصر نمایاں ہو اور اسے ادبي حیثیت بھی حاصل ہو۔ اگر ان حیثیتوں کا فقدان ہوا تو پھر یہ محض گالی گلوچ یا دہقانیوں کی طرح منہہ چڑھانا ہوگا ۔۔

(انسائکلو پیڈیا برٹانیکا)

اس تعریف کو ہجو و ہجا کي بیسویں صدي عیسوي کي تعریف کہہ سکتے ہیں ورنہ رومن اور لاطینی طنزیئین کي ایک بڑي تعداد جن کے یہاں سوا پھکڑ اور فحاشي کے کچھہ اور نہیں ہے طنزیئین کے صنف سے خارج ہوجاتے ہیں دوسري طرف ان طنزیئین کي تصانیف کو وہ ادبي حیثیت بھي حاصل نہیں ہے جو انگریزي فضلا کے پیش نظر ہے ۔

اصلاً ہجو و ہجا سے تنقیص و تعریض مراد ہوتي ہے۔ ایسي تنقیص یا تعریض جس سے جذبۂ تفریح یا نفرت کو تحریک ہوتي ہو ۔ راقم‌السطور کا ذاتي خیال ہے کہ اس قسم کي تنقیص یا تعریض کو ادبي حیثیت حاصل ہو یا نہ ہو ان کا اپنے مورد پر پورے طور چسپاں ہوجانا از بس لازمي ہے اگر یہ پورے طور پر (بقول شخصے) "چپک نہیں جاتیں" تو پھر ان کو ہجو و ہجا یا طنزیات کے بجائے "لغویات" کہنا زیادہ موزوں ہوگا ۔ ہجو و ہجا کے سلسلہ میں بہت سے الفاظ جملے یا لطیفے ایسے ہوسکتے ہیں جو ادب کي کسوٹي پر صحیح اُترنا تو درکنار اس کے قریب بھي نہیں لائے جاسکتے، لیکن اپنے مفہوم اور موقع و محل کے اعتبار سے اتنے موزوں اور برجستہ ہوسکتے ہیں کہ اُن پر ہجو و ہجا کا پوری طور پر اطلاق ہوسکتا ہے ۔ یہاں یہ کہنے کي ضرورت نہیں ہے کہ بہت سي چیزیں ادبیت سے مُعرا ہوسکتي ہیں بایں‌ہمہ

یہي نہیں کہ اکثر مذاق سلیم پر قطعاً بار نہیں ہوتیں بلکہ مذاق سلیم ان کا شکر گزار بھي ہوتا ہے -

نظر براں ہجو و ہجا سے ایسي تنقیص، تعریض یا تضحیک مراد ہے (اور اس میں وہ تمام الفاظ ، آواز ، انداز ، حرکات و سکنات اور اشارات شامل ہیں جو ــــــ فرض کرلیجئے کانگریس سے منسوب کئے جاسکتے ہیں اور جن کے خلاف آرڈیننس نافذ ہوچکے ہیں) جو اپنے مورد پر ہر حیثیت سے یا کسي نہ کسی پہلو سے لیکن پورے طور پر چسپاں ہوتي ہو - اب رہا یہ امر کہ کس طور پر یہ مقصد حاصل ہوسکتا ہے ہمارا ذاتي خیال ہے کہ تنقیص یا تعریض کے لیے لازم ہے کہ وہ حقیقت پر مبني ہو - اس سلسلہ میں بے موقع نہ ہوگا اگر یہاں وہ اصول پیش کردئے جائیں جو ہجو و ہجا کے صحیفۂ اخلاق میں عربوں کے یہاں ملتے ہیں،

(۱) جو چیز في نفسہ قبیح یا مکروہ ہے اس کي ہجو کیجاسکتي ہے -

(۲) جسماني یا فطري نقائص یا معائب کي مذمت ناروا ہے -

(۳) آبا و اجداد کي فرد گذاشت پر اولاد کو مورد لعن طعن قرار دینا ناجائز ہے -

(۴) انہیں معائب کو قابل گرفت تصور کرنا چاهئے جو عقل کے نزدیک قابل گرفت ہوں -

(۵) بہترین ہجو وہ ہے جو جلد ذہن میں محفوظ ہوجائے جس کي ترکیب اور معني میں پیچیدگي نہ ہو جس کو عام مذاق جلد قبول کرلے اور صرف قبول ہي نہ کرلے بلکہ اس کو صحیح بھي سمجھنا ہو، وغیرہ -

اب تک طنزیات اور طنزیئین کے سلسلہ میں جو کچھہ بیان کیا گیا ھے وہ عہد قدیم سے متعلق تھا اور ان زبانوں کا مختصر جائزہ لیا گیا ھے جن کا شمار کلاسکس (ادبیات عالیہ) میں ھوتا ھے اس کے بعد کوئي اور ایسا مرتب

انگریزي طنزیات

اور مربوط سلسلہ نہیں ملتا جس پر وثوق کے ساتھہ کوئي حکم لگایا جاسکے یا جس کا تذکرہ خصوصیت کے ساتھہ سود مند ھو۔ اس میں شک نہیں، از منۂ وسطی، طنزیات کي ایک وسیع جولانگاہ پیش کرتا ھے ـ ارباب کلیسا کي فرسودہ معتقدات اُن کی خلوت اور جلوت کي داستانیاں، جنس نازک کي کافر ماجرائي اور عشوہ‌زائي، اصحاب دول کي فرعون سامانيِ، ایسے واقعات نہ تھے جو اس عہد اور فضا کے لیے کسي طور پر ناساز گار ھوتے تاھم طنزیات کا کوئي مخصوص اسکول، نہیں ملتا اور ھر پھر کر نگاھیں صرف ڈینارت اور ڈانتے پر پڑتي ھیں ـ

قرون وسطی میں ڈینارت اور ڈانتے کا نمونہ انگلستان نے صرف لینگلینڈ اور چاسر کی ذات میں پیش کیا ھے یہ دونوں اپنے احساس اور تعلیمات کے اعتبار سے ھوریس اور جوونل کے علمبردار تھے ـ ایک کي حیثیت اس دین‌دار کی تھی جو دشمنان عقل اور ذوق کو ھنسی دلگي اور طعن و تشنیع سے مغلوب کرنا چاھتا تھا، دوسرا اپنا پیام رسالت اُن کے خلاف پیش کرنا چاھتا تھا اور اُس کے لئے کبھی کبھي انتہائي طیش ناکیوں کے ساتھہ برھم نظر آتا تھا ـ یہ دونوں مسالک انگریزی ادب میں اب تک کسی نہ کسی طور پر نمایاں ھیں ـ ایک کے متعقد ـ

چاسر، اڈیسن، سوئفٹ، تھیکرے اور تینیسن ھیں اور دوسرے کے علم بردار لینگلنڈ، نیشن، ڈرائڈن، پوپ جانسن اور براؤننگ ھیں ـ

لینگلینڈ قرون وسطی کا جوونل تصور کیا جاتا ہے ۔ کوهستان ملورن کي اس غمگین ، دنیا سے بیزار اور اپنے عہد کي معاشری معائب اور معاصی کی سوگوار هستي کو جماعت کے مقررہ نظام اور اصول میں عافیت اور جمعیت کا کوئي شائبۂ نظر نہیں آتا تھا ، کیوں کہ اُن کے رگ و پے میں کید و فریب سرایت کرچکا تھا اور اِسي مقصد کي بنا پر اُس نے بقول اسکیٹس اپنے تمثیلہ میں فریب اور فلاکت زدہ کسانوں کي حالت زار ، قسیسّوں کي زیاں کاری ، راہبوں کے حرص وآز کا نہایت بدیع نقشہ کھینچا ہے ، کاہل الوجود مزدور اور کاری گروں پر لعن و طعن کي ہے اور عدالتوں کي رشوت ستاني پر اظہار نفرین کیا ہے ۔ مختصر یہ کہ اُس نے اِن تمام عیوب و ذمائم کو ہدف ملامت بنایا ہے جو ہمیشہ اور ہر زمانہ میں طنزیات کا موزوں ترین موضوع قرار دئے جا سکتے ہیں ۔

لیکن لینگلینڈ کي طنزیات میں وہ شعلہ نوائي اور خطیبانہ هیجان و طغیان نہیں پایا جاتا جو جوونل کا امتیاز خصوصی ہے ۔ اُس کے مقابلہ میں اُس کے ہم عصر جیفری چاسر کي شگفتہ نگاری اور طرب نوائی کا مقابلہ کیا جائے تو آسمان اور زمین کا فرق نظر آنے لگتا ہے ۔ هوریس کے مانند چاسر کی طنزیات میں ایک قسم کی آسودگي اور مرحمت پائي جاتي ہے ۔ تلخي اور شوریدگی کا پتہ نہیں ۔ یہ معائب و معاصي کي سر زنش کرتا ہے ، لیکن بجائے سر کہ جبین ہونے کے ہمیشہ خندہ روئي کو دخل دیتا ہے ۔ اس کي وجہ یہ بھي ہو سکتي ہے کہ اُس نے ایوان اور ارباب حکومت کو پیش نظر رکھ کر اپنے کلام کو ترتیب دیا اور غالباً اِسی خیال سے وہ اِن مراحل اور مواقع کو قصداً نظر انداز کر دیتا ہے

جہاں سے گذرنا دربار اور درباریوں کے نزدیک ناپسندیدہ اور بے محل ہو سکتا تھا ۔ یہی حالت ہوریس کی ہے ۔ جس نے ہمیشہ آگسٹس کی سامعہ نوازی کے لئے قلم کو جنبش دی ۔

لینگلینڈ کی مہتم بالشان تمثیلیہ میں طنزیات کا عنصر نہایت سنجیدہ اور خطیر نظر آتا ہے جس کے مطالعہ سے یہ امر فوراً محسوس ہوتا ہے کہ اُس کو اپنی ذمہ داریوں کا شدید احساس تھا ۔ دوسری طرف چاسر کے قصص کنٹر بری ہیں جسے اُس نے اپنی بذلہ سنجی اور ظرافت سے زعفران زار بنادیا ہے ۔ ہوریس کے مانند وہ بھی انسانی کمزوریوں کو قابل عفو سمجھتا ہے اور محض اس بنا پر کہ خود انسان تھا !

پندرھویں صدی کی ابتدا لینگلینڈ اور چاسر کے خاتمہ سے ہوتی ہے ۔ اِس زمانہ سے سولہویں صدی کے وسط تک جس زمانہ میں گیسکوئن نے "اسٹیل گلاس" نکالا ہے ہم کو اسکاٹ لینڈ کے طنزی شعرا کی طرف رجوع کرنا چاہئے ۔ ولیم ڈنبار اور سر ڈیوڈ لینڈسے اس عہد کے بہترین شعرا تھے ۔ اول الذکر کا شمار برطانیہ کے بہترین طنزیئیں میں ہوتا ہے ۔ لینڈسے کے متعلق یہ کہا جاسکتا ہے کہ اگر اُس نے لفاظی اور دیگر پیچیدگیوں کو راہ نہ دیا ہوتا تو اُس کی طنزیات غالباً اولین صف میں بار پاسکتیں ۔

اِس کے بعد ہمارا گذر ملکہ الزبتھ کے عہد میں ہوتا ہے ۔ جو حیثیت بہترین لاطینی طنزیئیں ہوریس ، جوونل ، اور پرسی اس کو عہد گذشتہ میں حاصل تھی وہی رتبہ پیرس پلاڈمیلس اور لوج کو اِس زمانہ میں حاصل تھا ۔ اِس دور میں ادبیات کو جو عروج ہوا اور جس کثرت کے ساتھ شعرا اور اہل کمال عالم

وجود میں آئے اس کا تفصیلی تذکرہ تقریباً ناممکن ہے اور بے محل بھی - سولھویں صدی کے آخر اور جیمس اول کی وفات تک تقریباً سو شعرا اور نثار گذرے ہیں - بشپ ھال اس عہد کا بہترین نمونہ ہے - ھوریس اور جوونل کا اُس نے نہایت شوق اور محنت کے ساتھہ مطالعہ کیا تھا اور اُن کا بہترین متبع تسلیم کیا جاتا ہے - ھال کا ہم عصر طامس نیش تھا جس نے جوونل کی اس خوبی سے پیروی کی تھی کہ بسا اوقات وہ خود جوونل کی سطح پر پہونچ جاتا تھا - ھال کا دوسرا ہم عصر طامس ڈیکر تھا جس کی ایک تصنیف "گلس ھارن بک" ہے - اُس نے لنڈن کی معاشرتی زندگی پر نہایت جوش اور شدت کے ساتھہ حملہ کیا ہے - ھال کے بعد بعض حلقوں میں جان مارسٹن کو دوسرا درجہ دیا جاتا ہے -

اُس عہد کے جتنے طنزی شعرا گذرے ہیں اُن میں سے اکثر و بیشتر نے ھوریس اور جوونل کے نقش قدم کو اپنا رہبر طریقت بنایا ہے - اُن کے یہاں اسلوب و انداز سے زیادہ نفس مضمون اور موضوع پر زور دیا جاتا تھا - جان بارکلے کی تصانیف بعض حلقوں میں اِس عہد کی بہترین ترجمان ہیں - برادرانہ جنگ کے دوران میں طنزیات کی سطح کسی قدر پست نظر آنے لگی تھی اُس کی وجہ ممکن ہے یہ ہو کہ شعرا زیادہ تر مذہبی اور جماعتی مناقشات میں الجھے رہے اور جیسا کے عام قاعدہ ہے ایسی حالت میں دریدہ دھنی مذاق سلیم پر اکثر غالب آ جاتی ہے جس کی نمایاں مثال کلیو لینڈ ؟ ارلڈھم اور کسی حد تک سموئیل بٹلر ہے -

لیکن یہ سب کچھہ پیش خیمہ تھا انگریزی طنزیات کے اس عہد زرین کا جس میں انگلستان کا بہترین اور بزرگ ترین طنزی شاعر جان ڈرائڈن عالم وجود میں آیا - جہاں تک طنزیئین کی

تعداد و شمار کا تعلق ہے الزبتھ کا عہد ایک نمایاں حیثیت رکھتا ہے ، لیکن جہاں تک اس صنف کلام کی شگفتگی اور شگوفہ زائی کا تعلق ہے ہم کو سترھویں صدی کا آخری اور اٹھارویں کا تقریباً نصف ابتدائی حصہ مدنظر رکھنا پڑے گا جب ڈرائڈن کی دو مشہور تصانیف ابسلم اور اکٹوفیل شائع ہوئیں - اس زمانہ میں طنزیات کے وہ مایہ ناز علم بردار گذرے ہیں جن کا نام انگریزی ادب میں شاید کبھی فراموش نہ ہو - ڈرائڈن ، سوئفٹ ، ڈیفو ، اسٹیل ، اڈیسن ، اور پوپ کے تمام شاہکار اسی عہد کے یادگار ہیں - گولڈ اسمتھ ، شیریڈن ، مور ، اور بائرن بھی اسی سلسلہ کی کڑیاں ہیں -

متذکرہ صدر عہد بھی مختلف ادوار پر مشتمل ہے ڈرائڈن سوئفٹ کلیولینڈ اور پوپ اپنے اپنے اسلوب بیان کے اعتبار سے اتنا ہی مختلف ہیں جتنا خود هوریس اور جوونل - اس کا ایک بڑا سبب یہ بھی تھا کہ اس وقت انگریزی ادب پر فرانسیسی ادبی رنگ غالب آچلا تھا جس میں سب سے زیادہ نمایاں اثر فرانسیسی نقاد اور طنزی شاعر بوائلو کا تھا - انگریزی ادب میں ، ڈرائڈن کے بعد "محتسب ادبی" کی حیثیت اس کو حاصل تھی - سوئفٹ ، پوپ اور ڈرائڈن ہر ایک نے بوائلو کے تصرف اور فیضان کو انتہائی عقیدت سے تسلیم کیا ہے - لیکن اس میں بھی شک نہیں ، اس تمام عظمت اور برتری کے با وجود جو سوئفٹ ، ایڈیسن پوپ اور بائرن کو حاصل ہے ان کی تمامتر خوبیاں ڈرائڈن کے فیضان کی منت کش تھیں -

یہاں اس امر کا تذکرہ کر دینا بھی غالبا بے محل نہ ہو گا کہ ڈرائڈن کے بعد جن طنزیئین کا نہایت زبردست اثر انگریزی ادب پر پڑا ہے وہ پوپ اور سوئفٹ تھے - ان کے ادبی کارناموں کا تذکرہ طوالت سے خالی نہ ہوگا لیکن غالباً اتنا اشارہ منزل مقصود کی طرف رہبری کرنے میں

معین ہوگا کہ پوپ، درائڈن کا شاگرد تھا - شاگرد کی تصلیف نہ صرف اُستاد کی تمام صفات کی بھمہ و جوہ حامل ہے بلکہ شاگرد نے ایک حدتک خود اپنی ذاتی جوہر اور خوبی کا بھی نہایت صنعت کارانہ طریق سے اضافہ کیا ہے - البتہ ایک اختلاف ایسا ہے جسکا تذکرہ غالباً بے موقع نہ ہوگا - پوپ نے اپنے کلام میں طعن و تشنیع، کینہ پروری اور زہر ناکی کو زیادہ دخل دیا ہے حالانکہ استاد کے یہاں فیاضی اور کشادہ قلبی کا عنصر غالب ہے - پوپ اور سوئفٹ دونوں نے اٹھارویں صدی کے وسط میں رحلت کی ہے - اُن کے بعد طنزیات کی ادبی لطافتیں زائل ہونے لگیں - یہ انحطاط کچھہ عرصہ تک قائم رہا یہاں تک کہ گولڈ اسمتھہ نے اس زندگی کی ایک تازہ روح پھونکدی -

انقلاب فرانس نے انگریزی طنزیات میں ایک جدید اسلوب کا اضافہ کیا جسکے تصرف سے طنزیات میں سیاسی عنصر کی ایکدفعہ پھر آمیزش نظر آنے لگی - انیسویں صدی کے جن طنزی شعرا کا تذکرہ ضروری ہے اُس میں سب سے پہلا ولیم جیفو فرڈ ہے اُس نے بھی لاطینی اساتذہ فن کی تقلید کی ہے لیکن بسا اوقات اُس کے لفظوں اور فقروں میں شدت اور برھنگی اس درجہ غالب آجاتی ہے یا ذاتیات کو وہ جس حدتک ہدف ملامت بناتا ہے اس سے یہ نتیجہ نکالنا بھی بے محل نہیں ہے کہ اکثر یہہ مذاق سلیم پر بار ہونے لگتا ہے - اس عہد کی سب سے نمایاں ہستی بائرن ہے اس کی بعض تصانیف اس فن کا بہترین نمونہ ہیں بائرن کے بعد پریڈ کا دور آتا ہے جس کی نظموں کی شستگی اور پاکیزگی مسلم ہے - اُس کی حیات ہی میں لیمب، سودی، ڈزرائلی اور تام ھڈ اسٹیج پر آئے - ان میں سے بیشتر ایسے تھے جنھوں نے اجتماعی زندگی کے نقائص اور ذمائم کو ہدف ملامت بنایا ہے - مس آسٹن، ڈکنس، ڈگلس جیرولڈ کی طنزی تصانیف بھی مختلف نوعیتوں کے ساتھہ بلند پایہ تسلیم کی

گئي هيں - اسي سلسله ميں "امريکن اسکول" کي طنزيات کا محض ضمني تذکره بهي يہاں سے موقع نه هوگا ۔ اس کی بنیاد واشنگٹن ارونگ نے رکهي تهي اور اس کے مبتعين هلر برٹن ، پالڈنگ ، هومس اور ڈڈلے هيں -

اب وہ دور آتا ہے جس میں طنزیات نے اپنی دیرینه شدت تلخي اور زهرناکی ایک حد تک نظر انداز کردي هے - یه مضحکات اور مطائبات کا عهد هے - هر بات خوشگوار انداز سے کهي جاتي هے حرب و ضرب کا عهد گزر چکا هے - کچهه خوشگوار شوخیاں ، اُچٹتي هوئی ضربیں ، تهوڑي بہت حریفانه چشمک ۔ لیکن یه سب کچهه اس انداز سے که ادبي لطائف و ظرائف پامال نه هونے پائیں - انگریزي ادب میں عام هیں ۔ اس سلسله میں مورٹمر کولنس ارتهرلاک ، فریڈرک لوکر ، ڈبلو اس گلبرٹ ، ڈاکٹر والٹرس اسٹهه کا نام خصوصیت سے لیا جاتاهے ۔

موجوده دور میں اسکروائلڈ چسٹرٹن اور برنارڈشا کا شمار بہترین طنزیئین میں هوتا هے ، جس کي تفصیل في الحال نظر انداز کي جاتي هے ۔

در شعر سه تن پیمبرانند هر چند که لانبئي بعدي

ابیات و قصیده و غزل را فردوسي و انوري و سعدي

لیکن فارسی شاعري کا یه کرشمه بهي دیدنی هے که ایک طور پر ان میں سے هر ایک هجو و هجا کے فن کا بهي امام تها - فردوسي کے متعلق بیان کیا هے جاتا هے که اُس کو طنزیئیں کی صف میں داخل کرنا جائز نہیں هے ۔ لیکن اگر فردوسي

فارسي طنزيات

کا تنہا شاهکار شاهنامه هے تو یه کہنا بهی غالباً بے محل نه هوگا که خود شاه نامه سے کم شهرت اُس هجو کی نہیں هے جسے فردوسي نے محمود کے

خلاف لکھکر اُس کے دامن کو ہمیشہ کے لئے داغدار اور اُس کی ادبی پرستاریوں کو بے نور کر دیا۔ بعضوں کا تو خیال ہے کہ یہ ہجو اور اُس کی شان نزول دونوں فرضی ہیں لیکن یہاں یہ بحث کسی حد تک غیر متعلق ہوگی ۔ شاہ نامہ کے پرستاروں کی تعداد اور استعداد پر نظر رکھتے ہوئے یہ خیال قرین قیاس ہے کہ اس واقعہ (ہجو گوئی) کا قطعاً صحیح یا کلیتاً فرضی ہونا دونوں صحیح ہوسکتا ہے ورنہ یا تو شاید شاہنامہ محض ایک "دوسرے درجہ" کی کتاب ہے یا اُس کے پرستاروں کا شمار "تیسرے درجہ" کے لوگوں میں ہے ۔

شاہنامہ یا ایران کی داستان رزم و بزم فردوسی نے جس طور پر تن تن اور جھوم جھوم کر سنائی ہے اس سے کون نہیں واقف ہے ۔ اس سلسلہ کی آخری کڑیاں بھی ملاحظہ ہوں ۔

یکے بندگی کردم اے شہریار	کہ ماند ز تو در جہاں یادگار
بسے رنج بردم دریں سال سی	عجم زندہ کردم بدیں پارسی
اگر شاہ را شاہ بودے پدر	بسر بر نہادے مرا تاج و زر
و گر مادر شاہ بانو بُدے	مرا سیم و زر تا بزانو بدے
چو اندر تبارش بزرگی نبود	نیا رست نام بزرگان شنود
پرستار زادہ نیاید بکار	اگرچہ بود زادۂ شہریار
سر ناسزایاں بر افراشتن	و زیشاں امید بہی داشتن
سر رشتۂ خویش گم کردن است	بجیب اندروں مار پروردن است
درختے کہ تلخ است ویرا سرشت	گرش در نشانی بباغ بہشت
ور از جوئی خلدش بہنگام آب	بہ بیخ انگبیں ریزی شیر ناب
سر انجام گوہر بکار آورد	ہماں میوۂ تلخ بار آورد
زبد اصل چشم بہی داشتن	بود خاک در دیدہ انباشتن
جہاں را چو این است آئین و ساز	کہ ساز د فرومایہ را سرفراز

پشیزے بہ از شہریار چنیں | کہ نے کیش دارد نہ آئین ودیں
ازاں گفتم ایں بیتہائی بلند | کہ تا شاہ گیرد ازیں کار پند
کہ شاعر چو رنجد بگوید ہجا | بماند ہجا تا قیامت بجا

فردوسي کو طنزیئیں کے صف میں داخل کرنا بعضوں کے نزدیک اگر غیر متعلق یا غیر صحیح ہے تو غالباً علامہ شبلي مرحوم کے اس فیصلہ کو ملحوظ رکھنا بھی بعضوں کے نزدیک ایک سند جواز ہے -

"کلام کي جہانگیري دیکھو - محمود نے دنیا کي بڑي بڑي سلطنتیں مٹادیں ، ملک کے ملک غارت کر دئے ، عالم کو زیر و زبر کر دیا ، مگر فردوسي کي زبان سے جو بول نکل گئے آج تک قائم ھیں اور قیامت تک نہیں مٹ سکتے " -

سلطان سنجر کے دربار کا نہایت زبردست اور معزز شاعر انوری بھي اس فن میں یکتائے عصر مانا گیا ھے - انوری کے نزدیک ہجو کی شان نزول یہ ھوتي ھے -

* سہ بیت رسم بود شاعران طامع را
یکے مدیح دگر قطعہ تقاضائی
اگر بداد سیم شکر ورنہ داد ہجا
ازیں سہ بیت دوگفتم د گرچہ فرمائي

آخر عمر میں انوري ہجو و ہجا سے تائب ھوگیا تھا جس کا تذکرہ ایک قطعہ میں نہایت بلاغت سے کیا ھے اور چوں کہ یہ خود اپني وقت میں اس فن کا امام رہ چکا ھے اس لئے ہجو اور ہجو گوئی کے متعلق اس کا نظریہ ھر طور پر قابل اتفات ھے -

دي مرا عاشقکے گفت غزل میگوئي
گفتم از مدح و ہجا دست بیفشاندم ھم

* یہ اشعار خلاق المعا ني کمال اصفہاني کے جانب بھي منسوب کئے جاتے ھیں -

گست چون گفتمش آن حالت گمراهی بود
حالت رفته دگر باز نه آید ز عدم

غزل و مدح و هجا هر سه ازاں گفتم
که مرا شہوت و حرص و غضبی بود هم

آں یکے شب همه شب درغم و اندیشه آں
که کند وصف لب چوں شکر و زلف بخم

واں دگر روز همه روز دراں مصلحت و غم
که کجا از که و چوں کسب کند پنج درهم

واں سه دگر چوں سگ خسته تسلیش براں
که زبو نے بکف آرد که از و آید کم

چوں خدا ایں سه سگ گرسنه راشاشانم
باز کرد از سر من بنده عاجز به کرم

غزل و مدح و هجا گویم یارب زنہار
بس که بانشں جفا کردم و بر عقل ستم

شعرائے فارسی میں هجو کا معیار نہایت پست رها هے اور افراد کی هجو میں یه اکثر انتہائی رکاکت اور فحاشی کو دخل دیلے لگتے هیں - لیکن جهاں یه رکاکت ارر فحاشی بجائے خود بے محل اور غیر متعلق هوجاتی هے ؟ وهاں اُن کی مبالغه آفرینی اور جدت طرازی دلچسپ بهی هوجاتی هے -

فارسی شعرا کو گهوڑے کی هجو لکهنے میں نہایت لطف آتا هے - انوری نے گهوڑے کی هجو لکهی هے -

بر عادت از وثاق بصحرا بروں شدم
بایک دو آشنا هم از ابتدائی روزگار

اسپے چناں کہ دانی زبر از میانہ زیر
وز کاهلی کہ بود نہ سکسک نہ راهوار
در خفت خیز ماند همہ راہ عیدگاہ
من گاہ از و پیادہ و گاهی براو سوار
نہ از غبار خاستہ بیروں شدے بزور
نہ از زمین خستہ بر انگیختے غبار
گہ طعنہ ازیں کہ رکابش دراز کن
گہ بذلہ ازاں کہ عنانش فرو گذار

اس سلسلہ میں سودا کی نظم ہجو اسپ موسوم بہ "تضحیک روزگار" بھی قابل اعتنا ہے - بہت ممکن ہے سودا نے انوری ہی کی نظم پیش نظر رکھہ کر یہ نظم مرتب کی ہو کیوں کہ دونوں کی بحر ایک ہی ہے اور بعض مقامات پر خیال کی پرواز بھی ایک ہی جانب ہوئی ہے - سودا کے چند اشعار اس ضمن میں پیش کرنا غالباً ناظرین کی دلچسپی کا موجب ہوگا -

مانند نقش نعل زمیں سے بجز فنا
هرگز نہ اُٹھہ سکے وہ اگر بیٹھے ایک بار
مانند اسپ خانۂ شطرنج اپنے پاؤں
جز دست غیر کے نہیں چلتا ہے زینہار
آگے سے توبڑہ اُسے دکھلائے تھا سئیس
پیچھے نقیب هانکے تھا لاٹھی سے مار مار
اس مضحکے کو دیکھہ ہوئے جمع خاص و عام
اکثروں مدبروں سے کہتے تھے یوں پکار
پھنکے اسے لگاؤ تا ہوئے یہ رواں
یا بادبان باندھو پون کے دو اختیار

حکیم محمد بن عمر الجوهري الهروي نے بھي ایک قصیدہ اس موضوع پر ترتیب دیا ھے -

دی مرا آخر سالار خداوند جہاں
داد اسپی که ز پیری بست بفریاد و فغاں
سفته زن اسپ که از شانۀ او در رفتش
هر زماں آید در گوش دگرگوں دستاں
راست مانند یکی اشتر باریک و حزیں
از سر شانه بروں آمده او را کوهاں
پشتش از گوشت تهي گشته بسان تابوت
شکم از کاه بپا گنده بسان کهه داں
سرطاں وار بیک پهلو در راه رود
که همه دست شد و پائی بسان سرطاں
در سر آید چو رسد پر شکمش زخم رکاب
به نشیلد بدم انکه چو کشي باز عناں
گفت با بلده که با نوح بدم در کشتی
بکه انکه جهاں گشت خراب از طوفاں
یاد دارم که چو یوسف بعزیزي بنشست
سوئے مصر آمد یعقوب نبی از کنعاں

روحي والو الجي شاگرد قطران بن منصور ترمذی نے بھي اس میدان میں تگ و تاز کي ھے -

آں اسپ ناروان که زبی طاقتی چو آب
تا یافتے نشیب نرفتے سوئے فراز
بر دے بهر فراز و نشیبے هزار بار
از دست و پائے لنگ زمیں را بسر نماز

فرخاری نے بھي اسي موضوع پر چند اشعار کہے ہیں -

اسپے دارم کہ ہرگز ایزد
قانع تر ازو نیا فرید
تا روز ز عشق جو ہمہ شب
از خرمن ماہ خوشہ چنید
گفتہ کہ جو نماند ازین غم
مي خواہد تعزیت ازیں گزید
بوسیدہ پلاس وپارۂ کاہ
مي خواہد تا درو تشید

سلمان ساؤ جي کا رنگ ملاحظہ ہو -

شاہا امید بود کہ خاہم بدولتت
بر مرکبے بلند و جوان و رواں نشست
اسپیم پیر و کاہل و کوتہ ہمی دہند
اسپے نہ آنچناں کہ توانم براں نشست
چوں کلک مرکبے سیہ و سست و لاغر است
جہل مرکب است بہ اسپے چناں نشست
از بندہ مہتر است بہ سي سال راستي
گستاخي است بر زبر مہتراں نشست

جمال الدین محمد عبدالرزاق اصفہاني نے یوں طبع آزمائی کي ہے —

صائم الدہر اسپکے دارم | کہ بدہ روز روزہ نکشاید
در رکوع است سال و مہ لیکن | گہہ گہے در سجود افزاید
روز عید است وھریکے امروز | بطعامي دھن بیامدید
گر تفضل کند خداوندم | پارۂ کاہ جو بفرماید
ورنہ رخصت دھد کاندر شرع | روزۂ عید داشتن شاید

مرزا مقیم جوهری کی جولانئی طبع ملاحظه هو -

رود چو آب فسرو بر زمین زبار گـران
اگر کند گزر از زیر نخل سایه فگن
اگر گره نزنم بردمش زکثرت ضعف
بسان رشته تواند گزشتن از سوزن
نخور دد کاه و نه دیده است جو نه کند گیاه
بغیر یال و بالیش نیست در گردن
زبار ضعف سر از جائے بر نمیدارد
عنان بدارد اگر دست لطف در گردن

کوشکی قائینی ، محمد بن علی سوزنی ، حکیم جلال ، دهقان علی شطرنجی ، عمعق بخاری ، صدر الدین عمر بن محمد الخرما بادی ، جلال الدین ناصر شمس غزنوی ، مجید الدین بیلقانی ، شرف الدین شفروه ، شرف الدین پدنوهی ، سراج الدین اسفرائینی ، نجیب الدین خطاط ، اپنے اپنے عہد کے مشہور ظریفین گذرے هیں - ان میں سے هر ایک کی حاضر جوابی ، مطائبات ، مضحکات ، فحشیات یا مغلظات کا تذکرہ تفصیل کا محتاج هے جس کا موقع نہیں هے اور جس کی جرات بھی نہیں کی جاسکتی -

کمال اسمعیل کے باب میں کسی قدر تفصیل سے کام لینا قارئین کی دلچسپی کا باعث هوگا ، کمال کے متعلق علامه شبلی نے شعرالعجم حصه دوم میں فرمایا هے -

دد شاعری پر سب سے بڑا احسان کمال کا یه هے که شاعری کی ایک ایسی صنف یعنے هجو اور ظرافت جو انوری اور سوزنی کی وجه سے لچوں کی زبان بن گئی تھی ، کمال نے اس کو نہایت لطیف اور پر مزہ کردیا - اگرچه بہتر تو یہی تھا کے یه بیہودہ صنف سرے سے اڑا دی جاتی ، لیکن

هجو شعرا کا ایک بڑا آلہ تھا جس سے اُن کے معاش کا تعلق تھا اسؔ لئے وہ اس سے بالکل دست بردار نہیں ہوسکتے تھے؟؟ -

هجو اور ظرافت کو بیہودہ مذاق قرار دینا یا اُس کو شعرا کے معاش سے وابستہ کرنا ایسا دعوی ہے جس پر نظر ثانی کی ضرورت ہے - اس میں شک نہیں اگر اس سے مقصود اس مخصوص قسم کی ھجا ہے جو فارسی ادبیات میں پائی جاتی ہے اور جس کا پایہ بڑی حد تک یقیناً پست ہے تو اُس کا نہ ہونا بہر حال اولی تھا - یہاں اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ لاطیفی طنزیات کے اولین شعرا بھی اس قسم کی رکاکت کو روا رکھتے تھے؛ لیکن یہ موازنہ یوں خوش آیند نہ ہوگا کہ اُن کا ابتدائی عہد فارسی کے ترقی یافتہ دور سے ہم آھنگ ہے اور یہ فارسی شعر و ادب کے دامن پر ایک بدنما دھبہ ہے - لیکن اسی سلسلہ میں زندہ اور اولوالعزم قوموں کے شعرا کو بھی ملحوظ رکھنا چاہئے جو ھجو و ھجا کو بر سرکار لانے میں اسی جرات اور پامردی کا اظہار کرتے آئے ہیں جو میدان حرب و ضرب میں سرفروشوں اور جانبازوں کا طرۂ امتیاز رہا ہے ؛ جنگ واٹر لو کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اُس کا فیصلہ ایٹن کے میدانوں میں ہوا تھا لیکن نپولین کی سطوت و جبروت کی پہلی شکست رولینڈسن اور کرک شینک کی طعن و طنز اور ان کارتونیوں (Cartoonists) سے ہوئی تھی جو ان آنش زبانوں کی تقلید کر رہی تھی - میدانِ جنگ میں بظاہر شکست و ریخت کا انجام سامان؛ سپاہی اور اسلحہ جات سے وابستہ ہوتا ہے لیکن بہت کم لوگ اس حقیقت سے آشنا ہوتے ہیں کہ زوال کی اولین بنیاد وہ شعرا اور مصنفین رکھتے ہیں جن کی تحریر و تقریر فریق محارب کے خلاف یا موافق بر سرکار رہ چکی ہوتی ہے -

ہجو و ہجا کا حقیقی مفہوم فارسی شعرا نے بہت کم سمجھنے کی کوشش کی ہے - فارسی شاعری تقریباً تمامتر درباری رہی ہے اکثر وبیشتر شعرا دربار کو مد نظر رکھکر اظہار خیال کرتے تھے - اور یہی وجہ ہے کہ ان کا زاویہ نگاہ کافی وسیع نہ ہوسکا - یہی اعتراض ہوریس کی شاعری پر بھی وارد ہوتا ہے جس نے ہمیشہ آگسٹس اور اس کے دربار کی سامعہ نوازی کے لئے قلم کو جنبش دی لیکن اس قسم کی مثال کثرت سے نہیں ملیگی-

یہ ایک عجیب بات ہے کہ جہاں تک فارسی شعر و شاعری کا تعلق ہے ابتدا سے انجام تک شعر و سخن کا پایہ تقریباً یکساں بلند ہے عہد بعہد کی ترقیوں پر غور کیا جائے تو عام طور پر صرف اظہار خیال یا اسلوب بیان میں تھوڑا بہت فرق نظر آئے گا لیکن جہاں تک جذبات کی مصوری اور فن شاعری کا تعلق ہے اول سے آخر تک یکساں سطح نظر آئے گی - ہجو و ہجا کا بھی یہی حال ہے لیکن شروع سے آخر تک جتنا عام شاعری کا پایہ بلند ہے اتنا ہی اس صنف کلام (ہجو و ہجا) کا پست اور رکیک ہے اور لطف یہ ہے اور یہ لطف عبرت سے بھی خالی نہیں کہ سعدی ایسا ثقہ اور متشرع شاعر بھی اس حمام میں آکر عریاں ہونے پر مجبور ہوا؟ دوسری طرف دور جدید کا مشہور قادرالکلام شاعر قاآنی ہے جس نے اس سر زمین میں پہونچکر وہ لے دے کی ہے کہ اس کی نظیر بمشکل کہیں اور ملسکے گی-

یہ بحث کو مزید تفصیل کی محتاج ہے لیکن بخوف طوالت ہم یہاں اسی پر اکتفا کریں گے - اب ہم قارئین کی توجہ ایک دفعہ پھر کمال کی طرف مبذول کراتے ہیں کمال نے ایک بخیل کا خاکہ یوں کھینچا ہے -

دی مرا گفت دوستے کہ مرا   باوثاں خواجہ از پئے دوسہ کار

سعدیے چند ہست ازپئے آں   خلوتے مي ببائدم ناچار
گفتم ایں فرصتے ارتواني یافت   وقت ناں خوردنش نگہ میدار

کسی نے کمال کو برا کہا تھا اس کا جواب کس لطیف انداز سے دیا ہے ۔

شخصےبد ما بہ خلق مي گفت   ما از بد اونمي خراشم
ما نیکئي او بخلق گفیتم   تا ھر دو دروغ گفتہ باشم

شیخ سعدي نے بھي بقول علامہ شبلي مرحوم (شعرالعجم) ـــ

"غزل میں زاھدوں اور واعظوں کا پردہ فاش کیا ھے اور ریاکاري کي دقیق اور باریک کارساریوں کي قلعي کھولی ھے خیام نے رباعیوں میں اس مضمون کو ادا کیا ھے لیکن صاف صاف اورکھلے کھلے لفظوں میں شیخ کي طرح چبھتي چبھتي چوٹیں نہ تھیں" ـــ

شیخ سے قطع نظر کو لیا جائے تو یہ کہنا قرین حقیقت ھے کہ خود صوفیانہ شاعري نام نہاد طبقہ زھاد وعباد کي فریب کاریوں پر ایک طویل اور جامع طنز ھے ۔ ایک حد تک یہ کہنا بھی صحیح ھے کہ صوفیانہ شاعري کا فروغ بھي اسي عہد سے وابستہ ھے جب طبقہ زھاد کي فریب کاریاں انتہا کو پہونچ چکي تھیں ۔ اس کي مثال عہد قدیم میں مشرق سے باھر بھی ملتی ھے ۔ لینگلینڈ نے اپني تمثیلیہ میں قسیسیوں کی زیاں کاری اور راھبوں کی حرص و آز کا نہایت بدیع نقشہ کھینچا ھے اس عہد کے معاشري معائب اور معاصی کي لینگلینڈ نے نہایت سخت سرزنش کي ھے ۔ حافظ علیہ الرحمۃ نے زاھدوں کے "کار دیگر" کو اکثر نہایت لطیف اور دلدوز انداز سے برافگندہ نقاب کیا ھے ۔ حافظ کی تقریباً تمامتر شاعري ان لوگوں کي زیاکاریوں کا ایک نقش بدیع ھے ۔

املح الشعرا خواجہ عبید زاکاني فارسي ادب کا بے پناہ ھجو گو تسلیم کیا گیا ھے ۔ ان کي ھجو و ھزل کی شان نزول بھي نہایت عجیب اور عبرت زا ھے ۔ تذکرہ دولت شاہ سمرقندي میں یہ واقعہ ان الفاظ میں درج ھے ۔

" مفخر الفضلا خواجہ عبید زاکاني نسخہ در علم معانی تصنیف کردہ بنام شاہ سخن شاہ ابو اسحق میخواست تا آن نسخہ بعرض شاہ رساند گفتند کہ مسخرہ آمدہ است و شاہ باو مشغول است ۔ عبید تعجب نمود کہ ھر گاہ تقرب سلطاني بمسخرگي میسر گردد وھزال مقبول و محبوب و علما و فضلا محجوب و ملکوب باشند ۔ چرا باید کہ کسی برنج تکرار پردازد و بیہودہ دماغ لطیف را بدود چراغ مدرسہ کثیف سازد ؟ بمجلس شاہ ابو اسحق نارفتہ بازگشت "

عبید نے ھزالي اور مسخرگي کا عزم کرلیا تھا ۔ دوستوں نے صلاح دي کہ یہ فعل ناروا اور غیر مستحسن ھوگا لیکن یہاں صرف یہ جواب تھا ۔

رو مسخرگی پیشہ کن و مطربي آموز

تا داد خود از مہتر و کہتر بستاني

سلمان ساؤ جي نے ایک قطعہ تصنیف کیا تھا جس میں ان کي ھجو کي تھي ۔

جہنمي ھجا گو عبید زاکاني

مقرر است بہ بیدولتي و بیدیني

اگرچہ نیست زقزوین و روستا زاد است

ولیک میشود اندر حدیث قزویني

یہاں اس نکتہ کو بھي ملحوظ رکھنا چاھئے کہ ظرفائي ایران کے نزدیک قزویني احمق ، خراساني خر ، طوسي گاؤ و بخاري گاؤ

تصور کئے جاتے ھیں عبید نے یہ قطعہ سنکر سلمان کی فکر میں بغداد کا رخ کیا - وھاں پہونچے تو سنا کہ سلمان دجلہ کے کنارے علما و فضلا کی صحبت میں مشغول سیر و تفریح ھے - یہ بھی کسی طرح باریاب ھوئے - دجلہ پر سیلابی کیفیت تھی؟ سلمان نے یہ مصرعہ پڑھا -

دجلہ را امسال رفتار عجب مستانہ ایست

عبید نے برجستہ کہا -

پائے در زنجیر و کف بر لب مگر دیوانہ است

سلمان نے خوش ھوکر دریافت کیا کہاں سے آنا ھوا - کہا قزوین سے سلمان نے کہا سلمان کا نام قزوین میں مشہور ھے اس کے اشعار میں سے بھی کسی کو وھاں قبول عام نصیب ھے انھوں نے کہا یہ قطعہ بہت مقبول ھے -

من خرابا تیم و بادہ پرست
در خرابات مغاں عاشق و مست
میکشندم چو سبو دوش بہ دوش
می برندم چو قدح دست بہ دست

لیکن ساتھہ ھی ساتھہ یہ بھی کہدیا

"سلمان مرد فاضل است و می تواں ایں قطعہ را بوی نسبت داد؟ اماظن غالب؟ آن است کہ این قطعہ از زن او باشد" سلمان بد حواس ھوگیا اور سمجھہ گیا کہ کن بزرگ سے سابقہ پڑا ھے - بڑی معزرت کی اور ان کی مدارات میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا مولانا نے فرمایا -

اے سلمان بخدمت یا ورے کرد کہ زود باعتذار اقدام نمودی و از شرّ زبانم رستی"

عبید نے مختلف مباحث پر طبع آزمائی کی ہے - ان میں سے ایک رسالہ اخلاق الاشراف ہے - یہ رسالہ ان تمام مذاہب اور معاصی کے خلاف ایک طنز ہے جن کی ایران میں گرم بازاری تھی - عبید نے مضامین رسالہ کے دو عنوان مقرر کئے تھے ایک "مذہب منسوخ" یعنی اسلاف اکابر نے اصول زندگی اور نظام اخلاق کا کیا حقیقی معیار رکھا تھا - دوسرا "مذہب مختار" یعنی اخلاف نے ان تمام اصول کو مسخ کرکے اب کونسا طریقہ اختیار کیا تھا طوالت کے اندیشہ سے یہاں کوئی اقتباس نہیں پیش کیا جاتا -

دوسرا رسالہ صد پند ہے تمہید میں فرماتے ہیں اس کے محرک افلاطون کے وہ نصائح ہیں جن کو اس نے اپنے شاگرد ارسطو کے لئے ملفوظ کئے تھے ؟

مشتے نمونہ از خروارے -

(۱) عیش امروز بفردا میفگند زید ؟

(۲) زمان تا خوش را بحساب عمر مشمرید ؟

(۳) طعام و شراب تنہا مخورید کہ این شیوہ کار قاضیان و جہودان باشد ؟

(۴) از دشنام گدایان وسیلئی زنان و زبان شاعران و مسخرگان مرنجید -

اس کے بعد رسالہ تعریفات ہے جس کا نمونہ حسب ذیل ہے -

(الدانشمند) آن کہ عقل معاش ندارد ؟

(الخسیس) مالدار ؟

(الدامراد) طالب علم ؟

(المدرس) بزرگ ایشان ؟

(دارالتعطیل) مدرسہ ؟

(القاضي) آں که همه او را نفریں کنند ؟

(الرشوة) کار ساز بےچارگاں ؟

(ملک الموت) ساقي باریش ؟

(ذوالقرنین) آں که دو زن دارد ؟

(المتواضع) مفلس ؟

ایک جگه قرض کا نوحه کیا هے ـ

مردم بعیش خوشدل ومن مبتلائے قرض

هر کس بکار و بارے ومن مبتلائے قرض

فرض خدا و قرض خلائق بگردن نم

آیا ادائے فرض کنم یا ادائے قرض

در شهر قرض دارم اندر محله قرض

در کوچه قرض دارم و اندر سرائے قرض

عرضم چو آبروئے گدایاں بباد رفت

از بسکه خواستم ز در هر گدائے قرض

(خواجه علاء دنیا و دین) آنکه جز کفش

هرگز کسے نداد بگیتي سزائے قرض

کچهه رباعیات بهي هیں لیکن چند کے علاوہ سب کي سب اس قابل هیں که ان کو کسي قسم کي تحریري یا زباني نقل و حرکت کي زحمت نه دیجائے ـ عبید نے ایک طویل ترجیع بند بهي تصنیف کیا هے جس کي تفصیل کي یوں گنجائش نہیں هے که خود اس کا مخصوص عنوان اس قدر بے محابا اور بے لگام هے که اس کا تذکرہ نه کرنا هي افضل هے اس کے بعد کچهه تخمیسات اور قطعات هیں ـ سب سے آخر میں رسالہ دلکشا هے ـ ان میں

سے کسي کے متعلق تفصیلي بحث کي گنجائش نہیں ہے - آخر میں فرماتے ہیں:-

گرچہ توحید و بیاں درکار است
قدرے ہم ہزیاں درکار است

اس سلسلہ میں -

مفخرالظرفا سراج‌الدین قمري قزویني ، املح‌الظرفا مولانا ابواسحق شیرازي ، مولانا برندق بخاري ، ناادم جرجاني عباس نشاطی ، گلبج ذرفلوني مولانا جلوتي اند خودي مفخرالنصلا و ظرفا خواجہ منصور قرابوقہ طوسي ، شہاب تر شیزي وغیرہ کا نام بھي آتا ہے ان میں ہر ایک مطائبات اور ہزلیات میں کمال رکھتا تھا لیکن ان کے کلام کا زیادہ حصہ ایسا ہے جس کا تذکرہ نہ کرنا ہي بہتر ہے -

فارسي شاعری کے طنزئیں کا یہ ایک مختصر خاکہ تھا - ہندوستاني فارسي شعرا میں نعمت خان عالي کا نام بھی اس ضمن میں خصوصیت کے ساتھ لیا جاتا ہے - نعمت خان عالي کے یہاں طعن و طنز کے علاوہ جس میں ہجو ملیح کي بعض روشن مثالیں ملیں گی الفاظ کے الٹ پھیر - اور ضلع جگت کا عنصر غالب نظر آئے گا - ان کے مطائبات و مضحکات جہاں تک تشبیہ و استعارہ یا کسي علم و فن کے اظہار کا تعلق ہے خاص طور پر قابل اعتنا ہیں -

جہاں تک ایراني شاعري کا تعلق امرا یا سلاطین کے دربار اور اُن کي شخصي حکومت سے ہے یہ حقیقت پوشیدہ نہیں رکھي جاسکتي کہ یہ فضا طنزیات کے لئے موزوں نہ تھي - اس کے اسباب ظاہر ہیں جس کا تذکرہ اس سے پہلے کیا جا چکا ہے - لیکن جب سے ایران کي شخصی سلطنت معرض زوال میں آئي اور مشروطہ

کي پذیرائی کے لیے ایران بغاوت اور انقلاب کا گہوارہ بنگیا ۔ جس کی وجہ سے ملک میں آزادي فکر کا عنصر پیدا ہوا اور مختلف همسایه قوتوں نے اپني اپني ریشه دوانیوں سے ارض ایران کو ورطۂ کشا کش میں ڈالدیا ایران کي شاعري میں زندگي اور نمو کے آثار پیدا ہونے لگے ۔ اس کا اثر خود قاآنی کے کلام میں پیدا ہے گو اس سے بھي انکار نہیں کیا جا سکتا که جہاں تک هجو و هجا کا تعلق هے قاآني کا کلام اس کے پیشروؤں کے مانند پست اور رکیک هے ۔

اقوام کے طبائع میں جب کبھي تضاد و تصادم پیدا ہوا اور اُن میں بیداري کے آثار نمایاں ہوئے خیالات کا جمود اور قدامت دوستي یکلخت مفقود ہوگئي هے ۔ ایران کي موجوده شاعري اسی کسر و انکسار کا نتیجه هے اور اس میں شک نہیں یه بیداری ملک و ملت کے تاریخ میں ایک جدید اور روشن باب کا اضافه کرتي هے گو اس سے بھي انکار نہیں کیا جا سکتا که وه لطافتیں ؟ وه نازک خیالات اور حسّیات لطیف کي وه مرقعه کاري جو قدما اور متوسطین کا طرۂ امتیاز تھا دور حاضر کي شاعري سے تقریباً ناپید هے لیکن موجوده شعر و شاعري میں زندگي کے آثار پائے جاتے هیں اور اس میں شک نہیں قوم کي خوابیده حمیت کو بیدار کرنے کے لیے یه ضروري هے که شعرا کبھي کبھي فرسوده راستوں کو اختیار کرنے سے اجتناب بھي کریں ۔

شیخ فضل الله مشہور استبدادي مجتہد کا جس کے باب میں کہا جاتا هے که اُس نے قوم کي آزادي کو سب سے زیاده دام لگانے والے کے هاتھه فروخت کر ڈالنے کا اراده کیا تھا ؟ ایک شاعر نے یوں خاکه کھینچا هے ۔ بیان کیا جاتا هے که یه نظم ۱۲ جولائي ۱۹۱۹ع کو شائع ہوئي جس روز

کہ سپہدار کی کمان میں رضاکاران ملّی کا داخلہ طہران میں ہوا ھے -

حاجی بازار هراج است هراج — کو خریدار هراج است هراج
میہنفروشم همه ایران را — عرض و ناموس مسلمان را
رشت و قزوین و قم و کاشان را — بخرید این وطن ارزان را
یزد خوانسار هراج است هراج — کو خریدار هراج است هراج

طبل و شیپور علم را کے میدہاد — شہر و خورشید رقم را کے میدہاد
تخت عجم را کے میدہاد — تاج کے؟ مسند جم را کے میدہاد
اسپ و افسار هراج است هراج — کو خریدار هراج است هراج

گویند مردمان اروپا که کذب و شهد
با طینت اهالیئے ایران سرشته اند
مستند اگر نفوس اروپا چو مورنارد
ایرانیاں به نسبت ایشاں فرشته اند

ملک الشعرا بہار مشہدی نے سر اڈورڈ گرے کو یوں مخاطب کیا ھے -

سوئے لندن گذر اے پاک نسیم سحرے
سخنے از من بر گو به سر اڈورڈ گرے
کاے خرد مند وزیرے که نپرورده جہاں
چوں تو دستور خرد مند وزیرے هنرے
نقش بیطرز بفکر تو نقش بر آب
رائے بومارک بهر رائے تو رائے سبرے
بر کشودے در صد ساله فرو بسته هند
بر رخ روس و نتر سیدی ز در بدرے

زہے آں خاطر دانائی رزیں تو زہے
فرے آں فکر توانائی متین تو فرے !

جرمنی کے باب میں ایرانیوں کو غلط فہمی تھی کہ یہ مسلمانوں کا دوست اور روس کا دشمن تھا - لیکن ایران کے معاملات میں اس کی مداخلت بیجا نے سارا نقشہ پلٹ دیا - اس ناخواندہ مہماں کی پذیرائی یوں کی گئی ہے -

مہماں تازہ وارد ایراں خوش آمدی
بالائے چشم جائے تو الماں خوش آمدی
ایران بخوان ماند و بیگانگاں بضیف
ناخواندہ میہماں سر ایں خواں خوش آمدی
از بہر صید مرغ دل عاشقان زار
در دست دام و دانہ بداماں خوش آمدی
با دعوی حمایت اسلام و مسلمین
گشتی دخیل حوزۂ دز داں خوش آمدی
لیکن چوں بردہ اند حریفاں ہر انچہ بود
ترسم شود نصیب تو حرماں خوش آمدی
رندانہ با بہانہ دارالفنون و بانک
نائل شدی بمقصد پنہاں خوش آمدی

مرزا آقا خاں نے ناصر الدین شاہ قاچار کے خلاف ایک ہجو (غالباً) فردوسی کی نظم (ہجو) پیش نظر رکھ کر لکھی تھی - یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ یہ نظم فردوسی کی نظم سے کہیں فرو تر ہے -

اگر شاہ را بود حسّے نہاں
مرا ساختی بے نیاز از جہاں

چو در خون او جوهر شرک بود
زتوحید اسلام خشمش فزود
مرا بیم دادی که در ارد بیل
تلم را بزنجیر بندی چو پیل
زکشتن نه ترسم که آزاده ام
زمادر همی مرگ را زاده ام

ایرنی شاعری کا موجودہ دور جس کے علمبرداروں میں اشرف مرزا اکبر علی دخو بہار مشہدی عارف قزوینی پور داؤد مرزاحسین کمال کا نام لیا جاسکتا ہے اور جن کے کلام کا جستہ جستہ نمونہ پیش کیا گیا ہے متقدمین اور متوسطین کی کھلہ شاہراہ سے علیحدہ نظر آتے ہیں لیکن باوجود ان تمام امید افزا توقعات کے جو اس دور کے ساتھہ وابستہ کیجاسکتی ہیں پروفسر براؤن انجہانی کا یہ مقولہ بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا ۔

"یہ نظمیں اپنے اوصاف اور خوبیوں میں مختلف اور متنوع نظر آتی ہیں اور گو ان میں سے بعض ایسی ہیں جو محمد علی کے عزل کے بعد اور اس کے صغیرالسن فرزند سلطان احمد کی تخت نشینی کے دوران میں لکھی گئی ہیں بحیثیت مجموعی یہ قدیم طرز شاعری کی ترجمان ہیں اور اُن نظموں میں جو هجو اور هزل سے متعلق ہیں زبان کی وہی رکاکت پائی جاتی ہے جو قدیم هجویات و هزلیات میں نمایاں ہے "

ظرافت اردو

ہمارا " جنت نشان " اگر انیسویں صدی کے آخری مراحل سے گذر کر بیسویں صدی کے متعدد کروٹیں نہ لے چکا ہوتا تو آج یہ کہنے میں کس کو تامل ہو سکتا تھا کہ اُردو ظرافت میں (جعفر کی زٹلیات سے قطع نظر) سودا کے علاوہ کوئی اور ہستی نظر نہیں آتی ۔ اُردو غالباً دنیا کی تمام زبانوں میں سب سے نو عمر ہے ' بایں‌ہمہ اُس نے اتنی کم مدت میں جتنے منازل ترقی طے کیے ہیں وہ حیرت انگیز بھی ہے اور قابل فخر بھی ' اُس کا ابتدائی دور ہندو مسلمان دونوں کے خلوص اور جانفشانی کا مرہون منت ہے - ایک معقول اور سنجیدہ ادب جن موضوعات پر مشتمل ہوتا یا ہو سکتا ہے ' وہ اُردو میں تصنیف و تالیف یا ترجمہ کے ذریعے سے کافی حد تک منتقل ہو چکا ہے ۔ اگر کسی کو اُس کے بے بہا یا عالمگیر امکانات ترقی کی طرف سے اندیشہ یا مایوسی ہے تو یہ اُردو کا نقص نہیں ہندوستانی قومیت کا نقص یا محرومی ہے ' جس کا ماتم ہندو یا مسلمان کریں یا نہ کریں ہندوستان کو تو بہر حال ہے ا

بایں‌ہمہ یہ کہنے میں بھی تامل نہیں ہو سکتا کہ جہاں تک ظرافت کا بحیثیت فن اور ادب کے تعلق ہے اودھ پنچ (لکھنؤ) کے دور سے قبل ظریفانہ کی مثال صرف سودا کی ذات میں ملتی ہے ۔ سودا کے عہد میں چند اور ظرفی شعرا موجود تھے مثلاً میر ضاحک فدوی ' مکین اور بقا لیکن ان کو کوئی مستقل حیثیت نصیب نہ تھی ' گھوم پھر کر نگاہیں صرف سودا یا پھر ان کے بعد کسی حد تک

انشا اور مصحفی پر پڑتی ہیں - انشا اور مصحفی کو مخصوص طور پر طنزیئین کے صف میں داخل کرنا موزوں بھی نہیں ہے - ہجو و ہجا ان کا مسلک شعری نہ تھا اور نہ اس حیثیت سے ان کو قبول عام نصیب ہوا - ان کی ہجو و ہجا صرف معاصرانہ چشمک کی حد تک تھی -

سودا کو اردو ہجو و ہجا میں نہ صرف فضل تقدم حاصل ہے بلکہ اُن کے کلام سے طنزیات کی بہترین صلاحیت و استعداد بھی نمایاں ہے ' لیکن جیسا کہیں عرض کیا گیا ہے بہترین طنز کی اساسی شرط یہ ہے کہ وہ ذاتی عناد و تعصب سے پاک اور ذہن و فکر کی بے لوث برہمی یا شگفتگی کا نتیجہ ہو - اس معیار پر سودا کی ہجویں تمام و کمال پوری نہیں اترتیں تاہم اس خارستان میں بھی طنز و مضحکت کے ایسے نمونے ملتے ہیں جن سے اُن کی زندہ دلی اور شگفتہ مزاجی کا ہمیں پوری طرح معترف ہوجانا پڑتا ہے -

سودا نے شعر و شاعری کی ہر صنف میں طبع آزمائی کی ہے لیکن ان کو جو خصوصیت ایک ہجوگو ہونے کی حیثیت سے حاصل ہے وہ سب پر فوق ہے اور یہی ان کا طغرائے امتیاز ہے ' مصنف آب حیات نے کہا ہے کہ اس فن میں ان کو اتنا کمال تھا اور لوگ اس وجہ سے ان سے اس درجہ خائف رہتے تھے کہ کبھی کسی کو ان سے ٹکر لینے کی ہمت نہیں ہوتی - سودا کے ہم عصر اور ایک حد تک مد مقابل میر ضاحک ' فدوی مکین اور بقا تھے - ان سے برابر چشمک ہوتی رہی ' مرزا نے ایک نہایت طویل الذیل نظم " اُلو اور بلئے " کی لکھی ہے جس میں فدوی کو دونوں کا مجموعہ بنایا ہے - فاخر اور سودا سے بھی چوٹیں ہوا کرتی تھیں جس کا سودا کو ایک بار بری طرح خمیازہ بھگتنا پڑا تھا -

مرزا نے مرثئے اور سلام بھی کہے ہیں، لیکن علامہ شبلی کی مانند (جہاں تک مرثیہ کا تعلق ہے) یہ اس وادی میں اجنبی تھے ۔ سودا کا اس صنف کلام میں بے آہنگ ہونا فطری تھا ۔ ایک حقیقی طنزی شاعر کی نظر معائب اور نقائص پر پڑتی ہے اور وہ اسی کو طشت از بام اور مجروح کرتا ہے ۔ مراثی اور سلام کا عقائد سے تعلق ہے ۔ عقیدت اور پرستاری کا طنزیات سے کیا رشتہ ۔

سودا نے ایک قصیدہ ""شہر آشوب"" لکھا ہے ۔ مصنف آب حیات کا مقولہ ہے کہ اس میں ابنائے وطن کا مرثیہ کہا ہے ممکن ہے یہ صحیح ہو لیکن اس نظریہ کے تسلیم کرنے میں یوں تامل ہوسکتا ہے کہ مرثیہ کا شمار ٹریجڈی (المیہ) میں ہوتا ہے حالانکہ سودا سر تا سر کومیڈی (بزمیہ) کے علم بردار ہیں ۔ یاس اور حزن کا رنگ کہیں نمایاں نہیں ہے ۔ سودا نے ہر جگہ کشادہ جبینی اور خندہ روئی کو دخل دیا ہے ۔ راقم السطور کے نزدیک سودا کے کلام ""مرثیت"" سے قطعاً مبرا ہے، ان کے کلام کا بحیثیت مجموعی مطالعہ کرنے کے بعد یہ حقیقت آشکار ہو جاتی ہے کہ ان کے ذہن اور فکر کو کسی ایسے مرحلہ سے شاذ و نادر ہی گذرنا پڑا ہے، جس کی فضا تاریک یا حزن آفرین رہی ہو ۔

مرزا کے قصیدہ ""شہر آشوب"" کا جستہ جستہ اقتباس حسب ذیل ہے ۔

گھوڑا لے اگر نوکری کرتے ہیں کسو کی
تنخواہ کا پھر عالم بالا پہ نشان ہے
گذرے ہے سدا یوں علف و دانہ کی خاطر
شمشیر جو گھر میں تو سپر بنئے کی یاں ہے
کہتا ہے نفر غرہ کو صراف سے جاکر
بی‌بی نے تو کچھہ کھایا ہے فاقہ سے میاں ہے

یہ سن کے دیا کچھہ تو ہوئي عید وگر نہ
شوال بھي پھر ماہ مبارک رمضان ہے
سوداگری کیجئے تو ہے اس میں یہ مشقت
دکھن میں بکے وہ جو خرید صفہان میں
قیمت جو چکاتے ہیں سو اس طرح کہ ثالث
سمجھے ہے فروشندہ پہ دزدي کا گمان ہے
شاعر جو سلے جاتے ہیں مستغلي الاحوال
دیکھے جو کوئی فکر و تردد کو تو یاں ہے
گر عید کا مسجد میں پڑھے جا کے دوگانہ
نمت قطعۂ تہنیت خان زماں ہے
تاریخ تولد کي رہے آٹھہ پہر فکر
گر رحم میں بیگم کے سلے نطفۂ خاں ہے
اور ما حضر آخوند کا اب میں کیا بتاؤں
یک کاسۂ دال عدس و جو کي دو ناں ہے
دن کو تو بیچارہ وہ پڑھایا کرے لڑکے
سب خرچ لکھے گھر کا اگر ہلدسہ داں ہے
جس روز سے کاتب کا لکھا حال میں تب سے
ہر صفحہ کاغذ پہ قلم اشک فشاں ہے
وہ بیست تکے سیکڑے لکھنے کو ہے محتاج
خوبي میں خط اب جس کا بہ از خط بتاں ہے
ہدیہ ہو سوا پانچ تکے گدڑی میں آکر
یاقوت پکارے جو بتاؤں یہ قراں ہے
دمڑي کو کتابت لکھیں دھیلے کو قبالہ
بیٹھے ہوئے واں مہر علی چوک جہاں ہے

چاہے جو کوئی شیخ بنے پھر فراغت
چھٹتے ہی وہ شعرا کے تو مطعون زماں ہے
دیتا ہے دم خر سے کوئی شملہ کو نسبت
گنبد سے کوئی پگڑی کو تشبیہ کناں ہے
پوچھے ہے مریدوں سے یہ ہر صبح کو اُٹھکر
ہے آج کدھر عرس کی شب روز کہاں ہے
تحقیق ہوا عرس تو کر داڑھی کو کنگھی
لے خیل مریداں گئے وہ بزم جہاں ہے
ڈھولک جو لگی بجنے تو واں سب کو ہوا وجد
کوئی کودے کوئی روئے کوئی نعرہ زناں ہے
بے تال ہوئے شیخ جو ٹک وجد میں آ کر
سرگوشیوں میں پھر بد اسلوبی کا بیاں ہے
گر تال سے پڑتا ہے قدم تو سبھی ہلس ہلس
کہتے ہیں کوئی حال ہے یہ رقص کناں ہے
اور ما حصل اس رنج و مشقت کا جو پوچھو
ڈالا ہوا واں دال نخود قلیہ و ناں ہے
سب پیشہ یہ تج کر جو کوئی ہو متوکل
جورو تو سمجھتی ہے نکھٹو یہ میاں ہے
دنیا میں تو آسودگی رکھتی ہے فقط نام
عقبیٰ میں یہ کہتا ہے کوئی اس کا نشاں ہے
یاں فکر معیشت ہے تو واں دغدغۂ حشر
آسودگی حرفیست نہ یاں ہے نہ وہاں ہے

ہجو بھی ایک قسم کی واقعہ نگاری ہے اور اس کا کمال یہ ہے کہ شدید مہمت٭

موقعہ؟ یا زمانہ کی صحیح ترجمانی ہو۔ سودا نے ایک طویل قصیدہ ''شہر آشوب'' میں جن اشخاص؟ مشاغل؟ یا حالت پر اظہار خیال کیا ہے اور جس شاعرانہ بلاغت کے ساتھ ان کے تمام جزئیات پر نظر ڈالی ہے اس کا ہر شخص قائل ہوگا - یہاں قصیدے کی نقل طوالت سے خالی نہ تھی شائقین کو اس قصیدہ کا مطالعہ کرنا چاہئیے اور اس لئے اور بھی؟ کہ یہ خود آج کل کے واقعات اور حالات کا آئینہ ہے ۔

ایک جگہ گھوڑے کی ہجو کی ہے وہ بھی قابل دید ہے (قصیدہ در ہجو اسپ المسمی بہ تضحیک روزگار) مثلاً ؟

ہے جب سے چرخ ابلق ایام پر سوار
رکھتا نہیں ہے دست عناں کا بیک قرار
جن کے طویلے بیچ کئی دن کی بات ہے
ہر گز عراقی و عربی کا نہ تھا شمار
اب دیکھتا ہوں میں کہ زمانے کے ہاتھ سے
موچی سے کفش پا کو گنٹھاتے ہیں وہ اُدھار
ہیں گے چنانچہ ایک ہمارے بھی مہرباں
پاوے مزا جو ان کا کوئی نام لے نہار
نوکر ہیں سو روپئے کے دیانت کی راہ سے
گھوڑا رکھے ہیں ایک سو اتنا خراب و خوار
نہ دانہ و نہ کاہ نہ تیمار نہ سئیس
رکھتا ہو جیسے اسپ گلی طفل شیر خوار
ناطاقتی کا اس کے کہاں تک کروں بیان
فاقوں کا اُسکے اب میں کہاں تک کروں شمار
مانند نقش نعل زمین سے بجز فنا
ہر گز نہ اُٹھہ سکے وہ اگر بیٹھے ایک بار

هر رات اختروں کے تئیں دانہ بوجھکر
دیکھے ہے آسماں کی طرف ہو کے بیقرار
دیکھے ہے جب وہ توبرہ و تھان کی طرف
کھودے ہے اپنے سُم سے کوئیں تاپیں مار مار
فاقوں سے ھلھنانے کی طاقت نہیں رھی
گھوڑی کو دیکھتا ہے تو...... ہے بار بار
ہے اس قدر ضعیف کہ اُڑ جائے باد سے
میخیں گر اُس کی تھان کی هوویں نہ استوار
سمجھا نہ جائے یہ کہ وہ ابلق ہے یا سرنگ
خارشت سے ز بسکہ ہے مجروح بے شمار
هر زخم پر ز بسکہ بھنکتی هیں مکھیاں
گھٹتے هیں اُس کے رنگ کو مگسی اس اعتبار
سودا نے اپنے دوست سے یہ گھوڑا مستعار لینا چاھا تو اُنھوں فرمایا۔
ہے پیر اس قدر کہ جو بتلاوے اُس کا سن
پہلے وہ لے کے ریگ بیاباں کرے شمار
لیکن مجھے ز روئے تواریخ یاد ہے
شیطان اسی پہ نکلا تھا جنت سے هو سوار
مانند اسپ خانۂ شطرنج اپنے پاؤں
جز دست غیر کے نہیں چلتا ہے زینہار
اک دن گیا تھا مانگے یہ گھوڑا برات میں
دولہا جو بیاھنے کو چلا اس پہ هو سوار
سبزے سے خط سیاہ و سپید سے ہوا سفید
تھا سرو سا جو قد سو ہوا شاخ باردار
پہونچا غرض عروس کے گھر تک وہ نوجوان
شہتو خیمت کے درخچے سے کر اس طرف گذار

دهلي پر مرهٹوں کی تاخت هوئی هے اور یه گهوڑے پر بیٹهه کر میدان کار زار کا رخ کر رهے هیں -

چابک تهے دونوں هاتهه میں پکڑے تها ملهه میں باگ
تک تک سے پاشنه کے مرے پاؤں تهے فگار
آگے سے توبره اُسے دکهلاتے تها سئیس
پیچهے نقیب هانکے تها لاٹهی سے مار مار
اس مضحکے کو دیکهه هوئے جمع خاص و عام
اکثر مدبروں میں سے کهتے تهے یوں پکار
پهئے اسے لگاؤ تا هووے یه رواں
یا باد بان باندهو پون کے دو اختیار
کهتا تها کوئی هے بزّ کو هي نهیں یه اسپ
کهتا تها کوئی هے گا ولایت کا یه حمار
کهتا تها کوئی مجهه سے هوا تجهه سے کیا گناه
کتوال نے گدهے په تجهے کیوں کیا سوار
اس مخمصه میں تها هی که ناگاه ایک روز
فتنے کو آسمان نے کیا مجهه سے پهر دو چار
دهوبي کمہار کے گدهے اُس دن هوئے تهے گم
اس ماجرے کو سن کیا دونوں نے واں گذار
هر اک نے اُس کو اپنے گدهے کا خیال کر
پکڑے تها دهوبي کان تو کهینچے تها دم کمهار
بد پشمي اُس کي دیکهه کے کر خرس کا خیال
لڑکے بهي واں تهے جمع تماشے کو بیشمار
رکهتا تها کوئی لاکے سیپارے کو ملهه کے بیچ
مو اُس کے تن سے کوئی اُکهاڑے تها بار بار

کہتا تھا کوئي مجھسے کہ تو مجھکو بھی چڑھا

دوں گا تکے تجھے میں بھی توچلدی ایتوار

اس کوفت اور خفت سے بے اختیار ہو کر راکب نے مرکب کو بد دعا دی ہے —

دست دعا اُٹھا کے میں ہر وقت جنگ کے

کہنے لگا جناب اِلٰہي میں یوں پکار

پہلے ہی چھوٹتے گولا اس گھوڑے کے لگے

ایسا لگے یہ تیر کہ ہووے جگر سے پار

مرہٹون سے دو چار ہونے کے بعد کا حادثہ ۔

گھوڑا تھا بسکہ لاغر و پست و ضعیف و خشک

کرتا تھا یوں خفیف مجھے وقت کار زار

جاتا تھا جب ڈپٹ کے میں اُس کو حریف پر

دوڑوں تھا اپنے پاؤں سے چوں طفل نے سوار

جب دیکھا میں کہ جنگ کي یاں اب بندھی ہے شکل

لے جوتیوں کو ہاتھہ میں گھوڑا بغل میں مار

دھر دھمکا واں سے لڑتا ہوا شہر کي طرف

القصہ گھر میں آن کے میں نے کیا قرار

موجودہ دور میں مبالغہ نگاري کي جس قدر مذمت کي جاتی ہے' وہ ظاهر ہے اور ایک حد تک درست بھي ہے' لیکن متذکرۂ صدر ہجو میں کچھہ ایسے پہلو پیدا ہوگئے ہیں کہ یہاں مبالغہ هي، اُس کا حسن بن گیا ہے ۔ جدت فکر نے غلو کو انتہا تک پہونچا دیا ہے' لیکن بجائے اُس کے کہ یہ گراں گذرے دل چاهتا ہے کہ کچھہ اور ہو ۔ نرپت سنگھہ کے ہاتھی کی بھی ہجو لکھي ہے ۔ اس میں شک نہیں زور بیان اور لطف کلام کا جو نمونہ ہجو اسپ میں نظر آتا ہے وہ اس میں ایک حد

تک بہت کم ہے، لیکن یہ وہ صنف کلام ہے جس میں سودا کبھی پھیکے نہیں پڑے -

ہوئی آقا پر اُس کے تنگدستی　　کہا کرتا ہے اب وہ فاقہ مستی
بدن پر اب نظر آتی ہے یوں کھال　　طناب سست سے خیمہ کا جوں حال
نسوداو اس طرح ہر استخواں ہے　　گویا ہر پسلی اس کی نردباں ہے
ضعیفی لے گئی اس کی فربہی کم　　کہا ہاتھی نکل اور رہ گئی دم
کہا اُس کے مہاوت سے میں اکروز　　اگر آقا کے اپنے ہے تو دل سوز
تو کہہ ان سے کہ اس کو بیچ ڈالیں　　عوض کاش اسکے چرخے کو کدھا لیں
دیا ان نے جواب اے میرے مخدوم　　خریداری تو اس کافر کی معلوم
جو ہاتھی ہو تو لے کوئی خان و نواب　　ہے بے ایمان کی مسجد کی محراب
جو بیٹھے یہ تو اُٹھتا ہے اسے دور　　لگیں اسکو نہ جب تک راج و مزدور
ہے اتنا چلنے میں بجز یہ بد ذات　　نہیں ہاتھی صعوبت کی ہے یہ رات
یہ ہے اس مرتبہ بدی میں مخصوص　　سلیچر جس کے ہوتا ہے قدمبوس
جسے لا پیٹھ پر اُس کے بٹھایا　　گویا باروت پر شعر در اُڑایا

شیدی فولاد خاں کوتوال شاہجہاں آباد کی ہجو میں ایک مثنوی لکھی ہے، مختصر اقتباس درج ذیل ہے -

گشت اُن کا جو پھرتا آتا ہے　　یہی نر سلکیا بجتا آتا ہے
سن لو چوری یہ مختصر قصہ　　صبح کو بیوجد یجیؤ حصہ
جو نظر باز اُس کا چکرا ہے　　خوب دیکھو تو جیب کترا ہے
کسو کا گٹھہ کٹی وتیرا ہے　　کوئی بیوا اُٹھائی گیرا ہے
جس کے گھر بیچ اُس کا آقا جائے　　صاحب خانہ پر یہ آفت آئے
یا خبر دار گھر کا ہو صاحب　　چوکھٹے پان دان تک غائب
شام سے صبح تک یہی ہے شور　　دوڑیو گٹھری لے چلا ہے چور
رات جو اپنے گھر میں کھلا رہے　　چور دروازے پر یہ ہلا رہے

هوگی کب تک بچا خبرداری　　چور جاتے رہے کہ اندھیاری
خلق جب دیکھ کر کے یہ بیداد　　کرتے ہیں کوتوال سے فریاد
بولے ہے وہ کہ میں بھی ہوں ناچار　　گرم ہے چوٹٹوں کا اب بازار
کرتے ہیں مجھسے اب بجاکر ڈھول　　میری پگڑی کا مہرے سر پر مول
یارو کچھ چل سکے ہے میرا زور　　دیکھو تو تک کہاں کہاں ہے چور
مت سکے مجھ قریب سے یہ خلل　　ہے امیروں کے گھر میں چور محل
دیکھئے گر بتاں کو بھی بخدا　　ہاتھ میں ہے انہوں کے دزد حنا
کس کو ماروں میں کس کو دوں گالی　　چوری کرنے سے کون ہے خالی
چڑھکے جب مفسدوں پہ جاتا ہوں　　وقت پر میں بھی جی چراتا ہوں
مچ رہا ہے اب اس طرح کا سانگ　　ہے خدا کے بھی گھر میں چور کی تھانگ
بچ سکے کیونکہ اب کسی کی شے　　ملا مسجد کا صبح خیزیا ہے

آخر میں تو کمال ہی کر دیا ہے، فرماتے ہیں ــــ

یہ جو سودا بکے ہے لا یعنی　　آپ کرتا ہے دزدئی معنی ا

ایک مثنوی کسی دولت مند بخیل کی ہجو میں لکھی ہے ۔ کہتے ہیں اُن کے دوست کسی بخیل دولت مند کے یہاں گئے ۔ اتفاق سے بارش ہونے لگی، میزبان نے پہلے تو پوچھا کوئی بارانی وغیرہ بھی ہمراہ ہے؟ انہوں نے کہا بارش کا حال کس کو معلوم تھا؟ میزبان نے کہا بارش میں سخت دقت ہوگی، انہوں نے جواب دیا ــــ

رکھے خالق سلامت آپ کی ذات　　نہ کھلے گا تو میں رہوں گا رات

اب میزبان کی حالت دگر دگوں ہونے لگی، نوبت بایںجا رسید کہ ۔

کہا اُس نے کہ بھر کے آفتابہ　　مقعد کی جا ضرور میں رکھوا

اور چلتے چلتے مہمان کے کان میں کہہ گئے ــــ

چاہو جو کچھ کہ اب تناول کو　　کہدو بلوا کے اب بکاول کو

اُنہوں نے بکاول سے فرمائش کی تو وہ ۔

بولا تیار تو نہیں ہے کچھہ   جاؤں ڈھونڈوں اگرکہیں ہے کچھہ
تو تو لاؤں ہوں آپ کی خاطر   ورنہ کھاؤ مجھے میں ہوں حاضر

مہمان نے کہا اگر کچھہ تیار نہیں ہے تو مودی سے جنس لے کر کچھہ تیار کر لو - اُس نے جواب دیا اُس کے پاس کہا رکھا ہے - قصاب ؟ کونجڑے؟ سقرہ چین؟ باورچی؟ نان پز؟ شاعر سب کا یہ حال ہے —

اور قصاب بھی جو آوے ہے   چھری بخدا مجھے دکھاوے ہے
جب میں کچھہ کونجڑے سے کہتا ہوں   لہو پی پی کے اپنا رہتا ہوں
بھڑکے ہے مجھسے یوں دو بر دو   لیجو ترکاری کی جگہہ کدو
سقرہ چین دے ہمیشہ یوں گالی   ملہہ رکھیں چکنا اور شکم خالی
مجھکو باورچی یوں ڈراتے ہیں   رہ تہری آش کہا پکاتے ہیں
نان پز کو جو دیکھوں بھر کے نظر   مجھسی کہتا ہے یوں وہ گھڈی خر
تجے مشرف کے گھر لگاؤں گا   اور پلٹہوں ترا نہ لوں گا
کوئی شاعر جو یوں گذرتا ہے   مہری ہی ہجو وہ بھی کرتا ہے

دوسروں کا حال یہ ہے -

بسکہ مطبخ میں سردی رہتی ہے   ناک باورچیوں کی بہتی ہے
اُن کے مطبخ سے دود اُٹھے اگر   سنتے لے دوڑتے ہیں مشکیں بھر
روز باورچی یوں کرے فریاد   کبھی تو کچھہ دو ہمیں ارشاد
کہا تیرے بعد کر کے کھاویں گے   جب کسب اپنا بھول جاویں گے
کرے سو عید گنبد گردان   نہ تاے اُن کے گھر سے پھر رمضان
لغرض مطبخ اس گھرانے کا   رشک ہے ابدار خانے کا
جس سے طوفان نے کیا تھا ظہور   اُن کی نانی کے گھر کا تھا وہ تنور

میزبان کے ولی عہد نے اپنے کسی دوست کی ضیافت کی تھی اُس کا یہ حشر ہوا -

چاہتا تھا کرے یہ اُس کو عاق   اور ماں کو بھی اُس کی دیدے طلاق

بارے لوگوں نے آ کے سمجھایا — تب یہ جورو کے حق میں فرمایا
پتھر اُس کے عوض تو کیوں نہ جنی — کاش پھنس مرتا واں یہ ناشدنی
یارو مجھہ سے تو لا ولد بہتر — میرا بیٹا اور اس قدر ابتر
اُس کا دادا بھی گرچہ تھا عیاش — اس سلیقے سے پر کرے تھا معاش
جو کوئی اُس کے گھر میں نوکر تھا — رات کو اس پہ یہ مقرر تھا
پھرتا وہ ٹکڑے مانگتا گھر گھر — لاتا آقا کے آگے جھولی بھر
اچھے چن چن کے آپ کھاتے تھے — برے تنخواہ میں لگاتے تھے

میر ضاحک کی خبر لیتے ہیں -

ککری چلنے پر ہے اب گذران — معدہ اُس کا ہے مرغ کا سنگدان
سنگریزے تلک نہ اُس سے بچے — معدے میں اُس کے تو پہاڑ پچے
گھر میں اب جسکے دیگچہ کھڑکے — در پر اُسکے یہ بیٹھے یوں اڑ کے
گور سے پھر جو رستم اُٹھکر آئے — میت اُس کی اُٹھائے یا نہ اُٹھائے
آگ لگ کر کسی کے گھر سے دود — اک ذرہ بھی گر کرے ہے نمود
لوگ تو دوڑے ہیں بجھانے کو — دوڑے یہ لے رکابی کھانے کو
اس لئے هجو خلق کرتا ہے — گالیاں کھانے تک پہ مرتا ہے
جو اسے میہماں بلاوے ہے — آفت اپنے وہ گھر پہ لاوے ہے
یہی کہتا پھر اُس کے گھر بیٹھے — اور کوئی نہ کھانے پر بیٹھے
جب تلک کھانا آوے ہی آوے — اسی بک بک میں جان کھا جاوے
کھانا آوے تو اس طرح ٹوٹے — جیسے کوئی کسی کا گھر لوٹے

ایک دن اُن کے ”ممدوح“ کو کسی دوست نے کھانے پر مدعو کیا تھا، جلسے میں لوگ خوش گپیاں کر رہے تھے، اُن کا یہ حال تھا -

جا کے مطبخ پہ یہ پڑا اس طرح — میں بیاں اسکا اب کروں کس طرح
لاٹھیاں لے لے ہاتھہ پیر و جواں — کرتے ہی رہ گئے سبھی ہاں ہاں

گوشت چاول مسالہ ترکاری — سب سمیت اُس نے ایک ھي ماری
مطلق اُسنے نہ مانی ڈانت ڈپت — رکھہ کے کلے میں کر گیا سب چت
جن ھے یا آدمي ھے یا کیا ھے — یا کوئي دیو بوکھلایا ھے
نہیں ڈرتا یہ لاٹھي پاٹھي سے — کیا کرے لاٹھي اُسکي کاٹھي سے
چار کے کاندھے جب یہ جاوے گا — لاشہ کي روٹي کو بھي یہ کھاوے گا

حکیم غوث کے متعلق ارشاد ھوتا ھے -

مملکت ھند میں اب گھر بہ گھر — ھے ملک الموت سے مشہور تر
نسخہ نہ لکھتا کبھو وہ بد سرشت — بھرتي نہ انسان سے دوزخ بہشت
مرتے ھیں اُس سے ز بس اب مرد وزن — کھاتے ھیں قرض اُس کے اوپر گور کن

حکیم صاحب کے مطب کا نقشہ بھي ملاحظہ ھو :—

جا کے وہ دیکھے جو نہیں وحشت سرا — دل پہ کھلے معني دارالفنا
چھوٹتے ھي اک شخص کي دیکھي جو نبض — کہنے لگا تجھکو بشدت ھے قبض
کچھہ نہیں کرنے کا بجز اس کے سود — لکھدیا یہ کہہ کے سفوف یہود
اور غذا اُس کو یہ بتلائے دوست — ماش کي روٹي سے تو کھا ساگ پوست
صاحب پیچش کو بتایا کٹول — واسطے ھیضہ کے لکھا اسپغول
لکھدیا مجنون کو شیر شتر — کہدیا مستسقي کو جا فصد کر
کہنے لگا دیکھہ کے اک اور کو — زخم کو دنبل کے کرانا رفو

ایک جگہہ "قدوي" کي ھجو کي ھے :—

ایک خراسان کیا گو کہ یہ مکہ کو جائیں
جیسے ھي ایدھر سے جائیں ویسے ھي اُودھر سے آئیں
پوچ زبان اُن کي سے شعر تو سوزن ھوا
کانپ بے چارہ صفت لعن کا مورد ھوا
شعر میں شاعر جو ھیں وہ تو تخلص کو لائیں
پر یہ تخلص بغیر نام نہ اپنا جتائیں

آخری شعر سے متعلق سودا نے ایک بقال کی نقل لکھی ھے - کوئی "دیوال بند" کسی بنئے کا مقروض تھا - ادائیگی قرض سے معذور ھو کر بالا خر اس نے ایک سبیل نکالی - دیوال بند نے ایک اُلو پھنسا کر اسی کلغی اور پینجنی سے مزین کیا اور ھاتھہ پر رکھکر بازار سے گذرا - اتفاقاً بنئے کی نظر پڑگئی؟ اُس نے پوچھا کیا ھے؟ انھوں نے جواب دیا باز ھے -

پھر وہ لگا پوچھنے کہہ تو وہ چھوڑے ھے کیا

ان نے کہا دودہ بھات کچھہ نہ اس کے سوا

مزید تعریف سن کر بنئے نے مول بھاؤ کیا اور رات میں اپنی بیوی "پربھاوتی" سے یوں گویا ھوا -

کرنے لگا جورو سے رات کو یہ مصلحت

سنتی ھے پربھاوتی اس میں ھے کیا تیری مت

پیسے میرے کرج ھیں ایک سپاھی کے پاس

اس سے نکد ملنے کی اب نہیں مجھکو ھے آس

باج بڑا ھی سا ایک دیکھا میں اسکے کنے

اس کو کھریدوں میں اب کال گو جو وہ بنے

بولی بنیئی یہ سن ادت تجھے کھیر ھے

اسکی رسوئی ھے ماس اس سے ھمیں بیر ھے

سنکے کہا بنئے نے کے کہی تونے یہ بات

ناہ رے پربھارتی رام کیسوں دودہ بھات

غرض کہ پربھاوتی نے بھی رضا دیدی - ساھو جی "داب بغل میں بہی کان پر رکھہ کر قلم" مرجا جی کے یہاں پہونچے؟ قرض کا تقاضا کیا؟ مقروض نے لیت و لعل شروع کی بنئے نے باج کے عوض بھر پائی لکھدینے کی شرط پیش کی جو ایک مختصر قیل و قال کے بعد منظور کرلیگئی - یہ اُلو گھر لائے؟ پربھاوتی نے کہا؟

دیکھ کے اُن نے کہا اوت تجھے ہے معلوم
یہ تو جانور ہے وہ ترک کہیں جسکو بوم

آخر میں ساھو جی "سر اور توند" کو پیٹ کر بیٹھ رہے اور اس خیال سے کہ شاید کوئی اور اُلو پھنسے اسے "کھونٹی پہ" باندھ دیا اور جو کوئی جنس وغیرہ کے متعلق کچھ دریافت کرتا یہ بالتزام کہتے :-

سب ہے دیا رام کی یہ بھی ہے اُلو بھی ہے

اس مصرعہ کو مرزا نے "فدوی" پر چسپان کیا ہے ؟ یعنی تخلص کے ساتھ نام جتانے کی مثال بنئے کی ہے -

ایک دوسرے مقام پر کسی (نام نہاد) درویش نے زیارت کعبہ کا ارادہ کیا ہے - اس کا قصہ سودا کی زبان سے سنئے :-

بجز تسبیح رہتے تھے وہ بے کل
مصلّے پر سے اُٹھتے تھے نہ اک پل

مریدوں کی ہوئیں پر نور عینین
کیا جب اُن کے سرمہ خاک نعلین

بلا شک اس کا جنت میں ہو ماوا
اٹھاوے جو انہوں کا آفتابا

جہاں وہ گاڑ دیتے اپنی مسواک
لگے تھے ناسپاتی سیب اور تاک

سوار اپنے ہوئے مرکب پہ یہ جب
مرید اُن کے ہوئے گرد آن کے سب

اُٹھا ہر اک کے عہدہ کو ہوا ساتھ
عصا کوئی کوئی لے مورچھل ساتھ

کوئی لے پیکدان اور کوئی رومال
کوئی حضرت کے آئے کوئی دنبال

مصلا کوئی سر پر رکھ کے اُسدم
چلا صلوات پڑھتا شاد و خرم

سودا بھی ہمراہ ہیں؟ راستہ میں رہزنوں نے قافلہ لوٹ لیا -

کروں کیا آگے اب غارت کی تصریح
نہ تھے جز دانہ ہائے اشک تسبیح

نہ زاد راہ پاس اُن کے نہ مرکب
اب ان سے عزم کعبہ کا بندھے کب

توکل پر چلیں کعبہ یہ کیا ذکر
انہیں اسباب کی اپنی پڑی فکر

کبھی عمامہ کے جانے کا مذکور
کبھو تھا فکر پیراہن سے دل چور

سلیمانی کی کہہ یاد آتی تسبیح
ہوئی جاتی تھی جسکے غم سے تشریح

کبھو کہتے مصلا تھا چکن کا | کہ جس پر تھا چکن کار دکن کا
کبھو کہتے کہ یارو کیا عصا تھا | بڑے حضرت کے میرے ہاتھ کا تھا
کہا کیا پٹکا تھا میری کمر کا | سفر در پیش آیا یہ کدھر کا
عقیق سُرخ کا جو ناسداں تھا | اگر بکتا تو قیمت میں گراں تھا

آخر کار سودا سے مشورہ کیا گیا، انہوں نے کہا :—

چلو لے گھر کو تم اپنے کس اسلوب | ہے اس سے قصد اودھر کا کہیں خوب
کہا حضرت نے سنکر تم ہو گمراہ | نہیں مسئلے مسائل سے کچھ آگاہ
حرم کا فرض ہے مقدور پر طوف | گیا یاں مال آگے جان کا خوف
مرید از بس تھے گھر چلنے پہ مائل | کہا سودا سے باہم ہوکے یکدل
سخن حضرت ہمارے کا ہے معقول | یہیں سے حج انہوں کا ہوگا مقبول
ہوئے تھے صبح جس منزل سے راہی | پھر آئے شام واں ہو کر تباہی

غرض کہ سودا کے کلام میں طعن یا ظرافت کا رنگ کسي نہ کسی حد تک ہر جگہہ نمایاں ہے - بعض قصائد میں تو ساری تشبیب اسي پر مشتمل ہے - ایک قصیدہ نواب سرفرازالدولہ حسن رضا خاں بہادر کي مدح میں ہے، مطلع کتنا شوخ اور شگفتہ ہے اور کس درجہ سودا کے رنگ میں ڈوبا ہوا ہے -

صباح عید ہے اور یہ سخن ہے شہرۂ عام
حلال دختر رز بے نکاح، روزہ حرام

بعض اوقات ردیف اور قافیہ بھی اُن کي مشکل پسندي اور ظریفانہ جدت طرازی کا آئینہ ہوتا ہے - ایک قصیدہ کا قافیہ اور ردیف سنگ رنگ ڈھنگ، تنگ رنگ ڈھنگ، ڈھنگ رنگ ڈھنگ ہے - اِسي ردیف اور قافیہ میں ایک غزل بھی ہے - دوسرے قصیدہ میں لوٹنت پوٹنت، گوٹنت، اکڑنت، پھرکنت، بھسمنت، قافیے ہیں -

حضرت امام ثامن علی رضا صلوات اللہ علیہ کی مدح میں ایک قصیدہ

لکھا ہے، جس میں فاخر، مکین اور ان کے اُستاد پر کنایتہً طعن کیا ہے :-

پکڑی جو لٹورے نے کہیں کھیتی سے چڑیا
سمجھا کہ نہیں باز کوئي مجھسا کلاں گیر
یا شب کو بیا گھونسلے میں جگنو کو لاکر
جانے یہ دل اپنے میں کیا ماہ کو تسخیر
مصرعہ میں اگر پشہ معنی ہو قلمبند
زعم اپنے میں سمجھے ہیں کیا پیل کو زنجیر
سمجھیں ہیں کلام اپنا بہ از سورۂ یوسف
معنی جو ہیں سو خواب فراموش کي تعبیر
اُستاد کي ان کے ہے انھوں کو یہ نصیحت
لفظی نہ تناسب ہو تو کچھہ مت کرو تحریر
انشا نو تلازم رکھو الفاظ کا ملحوظ
بے پنجۂ و ناخن نہ لکھو دودہ کو تم شیر
جب تک کہ نہ منظوم ہو پاسنگ ترازو
باندھو نہ کبھي شعر میں تم لفظ شکم سیر
ملحوظ قرائن رکھو ہر آن نظر میں
مرجع ہو مونث تو ضمیر اسکی ہو تذکیر

اس طعن و طنز کے بعد یوں گریز کي ہے -

سودا تجھے کیا سود جو ابنائے زماں کی
نافہمي و بے ربطي سے کرتا ہے تو تقریر
کر اس کي عوض مدح شہ ہر دوجہاں کي
تا عفو جرائم ترے طالع میں ہوں تحریر

مصحفي کا ایک شعر تھا -

شانہ پہ میرے مہر نبوت نہیں نہیں
کرتا میں صاف دعوي وحي و پیمبری

سودا نے اس شعر پر هجو میں ایک طویل نظم لکھي ھے جس کا جستہ جستہ اقتباس حسب ذیل ھے -

یہ بات جو واهي تو بکا بند کر آنکھیں
اس حرف سے کیا پائے تری شاعري توقیر
تخصیص یہ تجھپر ھے نہیں شانہ پہ جسکے
هو مہر نبوت کرے دعوی بہ مواهیر
گر عمر طبیعي کو بھي پہونچے تو یقین ھے
پہونچے نہ بلاغت کو تو نابالغوں کے پیر
اے مصحفي جانے ھے تو اپنا جسے دیوان
نفرین خلائق کي ھے گویا کہ وہ جاگیر

کہیں مصحفی نے کہدیا تھا کہ سودا کي صرف اُردو (زبان) صاف ھے ورنہ مضمون کا کہیں گذر نہیں اس کا (انوري هند) سودا نے جواب دیا ھے -

کیا سہل سمجھتا ھے تو اُس صاف زبان کو
گر سات جنم لیوے تو بالفرض ز تقدیر
ویسا نہ هو یک لفظ زبان سے ترے جاري
پیدا کرے هرگز نہ ترا نطق وہ توقیر
هر ایک کو حصہ ھے دیا اُس کے مناسب
قسام نے قسمت کي جو تقسیم کي جاگیر
جس جس کسي کا حوصلہ ظرف تھا جتنا
اُتنا هي اُسے بادۂ حکمت سے کیا سیر
تجھکو دئے یکسر خزف اس کو گہر و لعل
اور اُس کو دیا آب بقا تجھکو گل قیر

سودا کے بعد انشا اور مصحفي کا نمبر آتا ھے -

اُردو طنزیات کی خوش نصیبی سمجھئے یا بدنصیبی ، اس کا عروج لکھنؤ میں ہوا - دہلی پر خزاں طاری تھی ، اور لکھنؤ گہوارہ بہار - دہلی کے نوحہ خواں اگر لکھنؤ میں زمزمہ سنج نظر آئیں تو محل تعجب نہیں دلی والوں کا ٹھکانا اُس وقت لکھنؤ تھا - سودا ، انشا ، مصحفی ، میر ، سب نے "پورب کے ساکنوں" کی پناہ پکڑی دلی کے بجائے لکھنؤ کے کوچے "اوراق مصور" نظر آنے لگے -

انشا اور مصحفی کی چشمکوں سے اُردو کا ایک معمولی طالب علم بھی واقف ہے اس لئے اُن کا تذکرہ غیر ضروری ہے تاہم اُن کے کلام کا تذکرہ کرنے سے پہلے مصنف آب حیات کے ان فقروں کو ملحوظ رکھنا چاہئے -

"شہرستان تجارب کے سیر کرنے والے جانتے ہیں کہ جب رواج عام کا واجہ ہولی کھیلتا ہے تو بڑے بڑے معقول وضع دار اشخاص اس کی چھینٹیں فخر سمجھکر سر و دستار پر لیتے ہیں - پس وہ (سید انشا) اور اُن کے معاصر ملک چھوڑ کر کہاں نکل جاتے - یہیں رہنا تھا اور انھیں لوگوں میں رہ کر گذران کرنی تھی - "

ایک جگہ اور فرماتے ہیں -

"وقت حاکم جابر ہے اور پسند عام اُس کا واضع قانون ہے - اس وقت شاہ و امرا سے لے کر گدا اور غربا تک انھیں باتوں سے خوش ہوتے تھے اور قدر دانی یہ کہ ادنیٰ ادنیٰ نظموں پر وہ کچھ دیتے تھے جو آج کل کے مصنفوں کو کتابوں پر نصیب نہیں ہوتا - سید انشا اگر یہ نہ کرتے تو کیا کرتے - پیٹ کو کاٹ کر کہاں پھینکدیتے - ہنگامہ ہستی کے جواں مرد اسے بھی ایک قسم کا کمال سمجھتے ہیں کہ کسی رستہ میں درماندہ نہ رہیں - "

اسی سلسلہ میں ایک واقعہ کا بھی تذکرہ کیا ہے -

ایک شعر پر سید انشا اور شیخ مصحفی میں شکر رنجی ہوگئی

اور طبیعتوں کی شوخی نے زبانوں کی بے باکی کے ساتھہ ملکر بڑے بڑے معرکے کئے ۔ اس وقت آصف‌الدولہ شکار میں تھے ۔ چنانچہ انھوں نے اپنے لکھنؤ میں نہ ہونے پر ہزاروں افسوس کئے اور بڑے اشتیاق سے ان ھجوؤں کو منگا کر سنا اور انعام بھیجے ۔ فی الحقیقت ایک ایک مصرعہ ان کا، ھنسی اور قہقہوں کا منتر ہے ۔ لیکن آج اگر انھیں کوئی لکھہ بھی دے تو عدالت یا انصاف میں مجرم ہو کر جواب دھی کرنی پڑتی ہے " ۔

سودا، مصحفی اور انشا کی طنزیات، دربار اودہ میں عروج کو پہونچ چکی تھیں لیکن زمانہ کا رنگ دیکھئے، بقول مصنف آب حیات :۔

"مرزا رفیع کی ھجوین ان کی کلیات میں موجود ھیں مگر شیخ مصحفی، سید انشا کی ھجویں فقط چند بڈھوں کی زبانوں پر رہ گئی ھیں ۔ جن کی نظمِ حیات، عنقریب نثر ہوا چاھتی ھیں ۔ "

اس کی وجہ اس کے سوا کیا ہو سکتی ہے کہ صرف سودا ھی کا کلام ایسا تھا جو سال و سنین کا بار اُٹھا سکتا تھا ۔ دوسروں کی ھجویں صرف وقت کی چیزیں تھیں اور اسی وقت گِھس پس گئیں ۔

شیخ مصحفی، مرزا سلیمان شکوہ کے کلام پر اصلاح دیتے تھے ۔ سید انشا لکھنؤ آئے تو اُنھیں کا دور دورہ ہوا ۔ شیخ اور سید کے آیندہ معرکوں کی بنیاد یہی تھی ۔اکثر غزلوں میں دونوں با کمال، دادِ سخن دیتے تھے اور موقع موقع سے ایک دوسرے پر چوٹ بھی کر جاتے تھے ۔ شیخ مصحفی نے ایک جلسہ میں غزل پڑھی جس کا مطلع یہ تھا ۔

تھا مصحفی یہ مائلِ گریہ کہ پس از مرگ
تھی اُس کی، دھری چشم پہ تابوت میں، انگلی

اسي طرح میں سید انشا کا ایک شعر تھا ۔

دیکھہ اس کي پڑي خاتم یاقوت میں انگلي

ھاروت نے کی دیدۂ ماروت میں انگلي

جلسہ ختم ہونے کے بعد یے فکروں نے ان غزلوں میں خوب خوب جدت طرازیاں کیں ۔ ایک شعر خصوصیت کے ساتھہ قابل ذکر ھے ۔

تھا مصحفی کانا جو چھپانے کو پس از مرگ

رکھے ہوئے تھا آنکھہ پہ تابوت میں انگلي

یہ گویا طرفین میں ''فساد'' کا آغاز تھا ۔ مصحفی کو اس کی خبر ملی تو انھوں نے ایک فخریہ غزل تصنیف کي ، جس کے چند اشعار درج ذیل ہیں ۔

اک طرفہ خر سے کام پڑا ہے مجھے کہ ھائے

سمجھے ہے آپ کو وہ مسیحائے شاعري

اے مصحفی ز گوشۂ خلوت بروں خرام

خالي است از براے تو خود جائے شاعری

ھر سفلہ را زبان و بیانِ تو کے رسد

آرے توئی فغاني و بابائے شاعري

انشا نے اُس کے جواب میں ھجو کی ایک بحر طویل کہہ ڈالي ۔ جس کا اقتباس یہاں کچھہ ضروري نہیں معلوم ھوتا ۔ اسي زمانہ میں ایک مشاعرہ ھوا ۔ مصحفي نے بھي کچھہ اشعار لکھے ، طرح حور کي گردن ، مخمور کي گردن ، رنجور کي گردن تھي ۔ سید انشا نے چند اعتراضات کئے ، ساتھہ ھي ایک قطعہ ، ھجو میں بھی پیش کر دیا ۔ کہتے ھیں '' مصحفي مسّي ملا کرتے تھے اس لئے دانت سیاہ تھے ، وہ بھي کچھہ ھلتے تھے ، کچھہ گر پڑے تھے اور بڑھاپے نے اور شکل بگاڑ دي تھي '' انشا کي نظم کے چند اشعار حسب ذیل ہیں ۔

یوں خاطرِ شریف میں گذرا کہ بزم میں
کچلا ہوا شریفہ، غزل کو بنائیے
ایسے نجس، کثیف، قوافی سے نظم میں
دندانِ ریختہ پہ پھپھوندی جمائیے
سرکار کی یہاں نہیں گلنے کی دال کچھ
روٹی جو کھانی ہوئے تو پنجاب جائیے
خشکا گدھوں کو دیجئے لوزینہ گاؤ کو
واں جا کے بین بھینس کے آگے بجائیے

مصحفی نے بھی اس کا جواب دیا - فیصلہ مصنف آب حیات کی زبان سے سنئے -

"بے شک عام لطف بیان اور خاص طنزوں کے نشتر، سید انشا کی ترجیح کے لئے سفارش کریں گے......"

مصحفی کا آفتابِ عمر و دولت، لبِ بام تھا - لیکن اُستاد کی رفاقت میں شاگردوں نے عَلَم جنگ بلند کیا - ان میں ایک شاگرد، گرم تخلص کرتے تھے اور دوسرے منتظر، سید انشا نے مشاعرہ میں ایک شعر پڑھا -

آئینہ کی گر سیر کرے شیخ تو دیکھے
سرِ خرس کا، منہہ خوک کا، لنگور کی گردن

منتظر نے بھی غزل میں انشا پر چوٹ کی، ایک مصرعہ تھا -

باندھے دمِ لنگور میں لنگور کی گردن

یہ اشارہ تھا انشا کے ایک مخصوص طرزِ لباس آرائی کی طرف - سید انشا اکثر دوپٹا گلے میں ڈالے رہتے تھے جس کا ایک سرا آگے اور دوسرا پیچھے رہتا تھا - سید انشا نے ایک دوسرا شعر برجستہ کہا -

سترہ پہ ظرافت کے ذرا شیخ کو دیکھو
سر لون کا، منہہ پیاز کا، اچور کی گردن

یہ کشا کش طوالت پکڑتی گئی ۔ سید انشا اور مصحفی دونوں اپنے اپنے بوتے اور بساط کے مطابق، فحاشی اور مغلظات پر اُتر آئے۔نوبت یہاں تک پہونچی کہ منتظر اور کرم نے شہدوں اور لچّوں کو اُکسایا ۔ سید انشا کو ذلیل اور رسوا کرنے کے لئے یہ پورا لشکر روانہ ہوا۔ سید نے کمال فرزانگی سے اِس آفت ناگہانی کو رفت گذشت کر دیا ۔ لیکن اُس کے بعد انشا نے جواب ترکی بہ ترکی دیا ۔ مصنف آب حیات نے اُس کا نقشہ یوں کھینچا ہے :۔

"لیکن پھر سید انشا نے جو اس کا جواب حاضر کیا وہ قیامت کا تھا، یعنی ایک انبوہ کثیر، برات کے سامان سے ترتیب دیا اور عجیب غریب ہجویں تیار کر کے لوگوں کو دیں، کچھ دنگوں پر پڑھتے جاتے تھے، کچھ ہاتھیوں پر بیٹھے تھے، ایک ہاتھ میں گُڈا ایک میں گڑیا، دونوں کو لڑاتے تھے، زبانی ہجو پڑھتے جاتے تھے جس کا ایک شعر یہ ہے

سوانگ نیا لایا ہے دیکھنا چرخ کہن

لڑتے ہوئے آئے ہیں مصحفی و مصحفن"

انشا اور مصحفی کی ہنگامہ آرائیوں پر آزاد کا قول فیصل یہ ہے :۔

"سید انشا کی طبیعت کی شوخی اور زبان کی بیباکی، محتاج بیان نہیں ۔ بہت سی رذل اور فحش ہجویں لکھیں کہ جن کا ایک ایک مصرعہ، ہزار تسچی اور چابک کا طراقا تھا۔ بڈھا بیچارہ بھی اپنی شیخی کی جریب اور عصائے غرور کے سہارے سے کھڑا ہوکر جتنا کمر میں بوتا تھا مقابلہ کرتا رہا ۔ "

سید انشا کے بارہ میں مولوی عبدالباری صاحب، آسی نے اپنی مشہور تصنیف "تذکرۂ خندۂ گل" میں فرمایا ہے ۔

"...... وہ خلقۃً نہایت ظریف، ہشاش بشاش واقع ہوئے تھے ۔ اکثر تذکرہ نویسوں کا خیال ہے کہ درباری شاعر یا نوابی دربار کی

مصاحبت کی وجہ سے انھیں ظرافت کی ضرورت پڑتی تھی ۔ مگر میں اس کے خلاف ہوں ۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر وہ درباری مصاحب اور شاعر بھی نہ ہوتے تب بھی ایسے ہی ظریف ہوتے ۔ اب دیوان کو دیکھئے تو ضرورت اور بے ضرورت ' جا اور بے جا ' سب جگھہ ان کے تمسخر اور مزاح کی شان موجود ہے ...... حقیقت یہ ہے کہ انشا ' ظرافت ہی کے لئے پیدا ہوئے تھے اور اگر وہ ظرافت ہی کہئے ' تب بھی اُن کا علم و فضل اُتنا ہی مسلم ہوتا جتنا آج ہے ۔ اُن کی ظرافت کے اقسام گنانا ' ایک قسم کی دانستہ غلطی کرنا ہے ۔ جو شخص بات بات میں ظرافت کے دریا بہائے کوئی کہاں تک اس کا اندازہ کر سکتا ہے ۔ پھر بھی ریختی کو اُن کے ظریفانہ انداز کا سب سے بڑا نمونہ سمجھئے ۔ "

طنزیات کے ذیل میں اگر ریختی کو بھی داخل کر لیا جائے تو اس سلسلے میں رنگین ' انشا اور جان صاحب خصوصیت کے ساتھ مشہور ہیں ۔ ان کے کلام (ریختی) کا جستہ جستہ اقتباس (از تذکرۂ خندۂ گل منقولۂ صدر) نذر ناظرین ہے ۔

میرزا سعادت یار خاں ' رنگین :-

کروں میں کہاں تک مدارات روز
تمہیں چاہئے ہے وہی بات روز
گئے ہیں مرے گھر میں سب نجھہ کو تاڑ
کیا کر نہ رنگین ' اشارات روز

مجھہ کو اُس بات کا نہیں ہوکا
بلدی رکھتی ہے گاہ گاہ کا شوق

گر کہے گی مجھسے کچھہ ملہہ پھوڑ کر باجی تو پھر
تھلتی کرڈالونگی میں ہانھونکی ساری چوریاں

جو ہونی تھی سو بات ہو لی کہارو
چلو لے چلو میری ڈولی کہارو
ذرا گھر کو رنگیں کے تحقیق کر لو
یہاں سے ہے کے پہسے ڈولی کہارو

تجھسے جب تک نہ ملی تھی مجھے کچھہ دکھہ ہی نہ تھا
ہاتھہ ملتی ہوں بری بات کو کیوں مان گئی
بولے وہ آؤگے کب میں نے تب ان سے یہ کہا
بندی ہرگز نہیں اب تک کہیں مہمان گئی

ہر مہینے میں کرھاتے تھے مجھے پھول کے دن
بارے اب کے تو مجھے ٹل گئے معمول کے دن

تھوکتا بھی تو نہیں ہے مردوا اسکو کوئی
اتنا اتراتی ہے جوبن پر ددا کس واسطے
ریختی کہنی اجی رنگیں کی یہ ایجاد ہے
ملہہ چڑاتا ہے موا انشاء جیا کس واسطے

سید انشا اللہ خاں انشا ۔

مجھہ سے نہ اُز زناخی تو رات کو کہیں تھی
چھپتا ہے رنگ کوئی ایسی ملی دلی کا

ہاتھوں سے تیری میں تو کمبخت عاجز آئي
جو کام ھے نگوڑا تیرا سو ھلبلي کا

تھام تھام اپنے کو رکھتي میں بہت سا لیکن
کیا کہوں تھم نہیں سکتا میرا اندر والا

کچھہ تجھے شرم بھي ھے بیٹھہ پرے او کمبخت
تاڑ جاوینگے برے لوگ ارے او کمبخت

کوئي چاھت میں کسي شخص کے بدنام ھو نوج
اے ددا جان وہ کمبخت برا کام ھو نوج
مردوا مجھسے کہے ھے چلو آرام کریں
جس کو آرام وہ سمجھے ھے وہ آرام ھو نوج
دن دھاڑا ھي رھے ؟ جي تو بچے اے انشا
کلموھي کالي بلا ھائے وہ پھر شام ھو نوج

باجي تم چاھتي ھو بلدی سے جیسا اخلاص
اجي دو کواریوں میں نوج ھو ایسا اخلاص

پھر جو کچھہ بول اُتھوں میں تو یہ طعنے دوگے
قہر ایسا نہ کرو تم ابھي بن بیاھي ھو

میر علی یار جان (جان صاحب)

وہ تھے اُستاد، اُن سے جان صاحب تجھکو کیا نسبت
کیا پر نام روشن ریختی نے تیري نسبت کا

چھپکے رہنے میں تھا حرام وہ کام
ایک دو بولوں میں حلال ہوا

مردوے کھاتی ہوں میں تیسوں کلاموں کی قسم
تیرے بن پوچھے گئي ہوں میں جو اکبار کہیں
جا کے سسرال میں دولھا سے صنم خانم تم
پہلے ہی روز نہ کر بیٹھیو اقرار کہیں

نہ دیکھہ دولھا کو ساس نندوں کے آگے گھونگھٹ اُتھا اُتھا کر
نئي نویلي دلھن ہے بچي ابھی تو دو چار دن حیا کر

نامرد ہے ؟ نہ جورو سے اب تک خبر ہوا
قربان اس حیا کے ؟ بوا سال بھر ہوا

مجھے نفرت ہے صورت سے نگوڑے جان صاحب کي
وہ اسکي شکل کیا ہے اے بوا قربان کي صورت

نہ جاؤ تم ؟ پڑو چولھے میں ؟ بھیجو میرے بھائي کو
لگے ہیں درد ؟ مرتي ہوں ؟ بلا لائے وہ دائي کو

باموں یہ مجھسے کہتا ہے پوتھي بچار کے
پھندے میں تم پھنسوگی بس اب تین چار کے

اُس کے بعد غالب کے ''باغ و بہار'' رقعات سامنے آتے ہیں - جہاں تک نثر اُردو کا تعلق ہے برجستہ اور بے تکلف ظرافت کے اولین نمونے ہم کو غالب کے رقعات میں ملتے ہیں - طنز اور ظرافت کی داغ بیل ، سب سے پہلے اُردو نثر میں غالب نے ڈالی اور یہ پیش خیمہ تھا ''اودھ پنچ'' کی زعفران زار نظم و نثر کا ، جس کا تذکرہ آیندہ صفحات میں آئے گا -

رقعات غالب —

''پیر و مرشد ! ۱۲ بجے تھے - میں ننگا اپنے پلنگ پر لیٹا ہوا حقہ پی رہا تھا کہ آدمی نے آ کر خط دیا، میں نے کھولا ، پڑھا ، بھلے کو انگرکھا یا کرتا گلے میں نہ تھا - اگر ہوتا تو میں گریبان پھاڑ ڈالتا - حضرت کا کیا جاتا، میرا نقصان ہوتا........ پانچ لشکر کا حملہ پے بہ پے اس شہر پر ہوا ، پہلا باغیوں کا لشکر ، اس میں اہل شہر کا اعتبار لٹا - دوسرا لشکر خاکیوں کا ، اس میں جان و مال و ناموس و مکان و مکین و آسمان و زمین ، آثار ہستی سراسر لٹ گئے - تیسرا لشکر کال کا، اس میں ہزارہا آدمی بھوکے مرے - چوتھا لشکر ہیضے کا ، اُس میں بہت سے پیٹ بھرے مرے - پانچواں لشکر تپ کا ، اُس میں تاب و طاقت عموماً لٹ گئی - ''

مرزا علاءالدین خاں کے نام -

''سنو عالم دو ہیں ایک عالم ارواح اور ایک عالم آب و گل..... ہر چند قاعدۂ عام یہ ہے کہ عالم آب و گل کے مجرم ، عالم ارواح میں سزا پاتے ہیں - لیکن یوں بھی ہوا ہے کہ عالم ارواح کے گنہگار کو دنیا میں بھیج کر سزا دیتے ہیں - چنانچہ ۸ رجب ۱۲۱۲ ہجری کو مجھ کو روبکاری کے واسطے یہاں بھیجا - ۱۳ برس حوالات میں رہا - ۱۷ رجب

۱۲۳۵ هجري کو میرے واسطے حکم دوام حبس صادر ہوا۔ ایک بیڑي میرے پاؤں میں ڈال دي اور دلي شہر کو زندان مقرر کیا اور مجھے اس زندان میں ڈالدیا۔نظم و نثر کو مشقت ٹھہرایا۔برسوں کے بعد میں جیل خانہ میں سے بھاگا۔ تین برس بلادِ شرقیہ میں پھرتا رہا پایانِ کار مجھے کلکتہ سے پکڑ لائے اور پھر اسي محبس میں بٹھا دیا جب دیکھا کہ یہ قیدي گریز پا ہے۔ دو ہتکڑیاں اور بڑھادیں۔ پاؤں بیڑیوں سے فگار۔ ہاتھ ہتکڑیوں سے زخمدار۔ مشقت مقرری اور مشکل ہوگئي۔طاقت۔ یک قلم زائل ہوگئي۔ بےحیا ہوں سال گذشتہ بیڑي کو زاویہ زندان میں چھوڑ۔ مع دونوں ہتکڑیوں کے بھاگا.........کہ پھر پکڑ آیا۔ اب عہد کیا کہ پھر نہ بھاگوں گا۔ بھاگوں کیا۔ بھاگنے کي طاقت بھی تو نہ رهي۔ حکم رهائي دیکھئے کب صادر ہو۔ ایک ضعیف سا احتمال ہے کہ اسي ماہ ذالحجہ ۱۲۷۷ هجري میں چھوٹ جاؤں' بہر تقدیر بعد رهائي کے تو آدمي سوائے اپنے گھر کے اور کہیں نہیں جاتا۔ میں بھي بعد نجات۔ سیدھا عالم ارواح کو چلا جاؤں گا۔ ؟؟

"میاں! کس حال میں ہو' کس خیال میں ہو۔ کل شام کو میرن صاحب روانہ ہوئے۔ یہاں ان کي سسرال میں قصے کیا کیا نہ ہوئے۔ ساس اور سالیوں نے اور بي‌بي نے آنسوؤں کے دریا بہا دئے۔ خوشدامن صاحبہ بلائیں لیتي تھیں۔ سالیاں کھڑي ہوئي دعائیں دیتي ہیں۔ بي بي مانند صورتِ دیوار چپ۔ جي چاہتا ہے چھٹنے کو مگر ناچار چپ۔ وہ تو غنیمت تھا کہ شہر ویران' نہ جان نہ پہچان ورنہ همسایہ میں قیامت برپا ہوجاتي۔ هرایک نیک‌بخت اپنے گھر سے دوڑي آئی۔ امام ضامن علیہ السلام کا روپیہ بازو پر باندھا۔ ۵ روپئے خرچ راہ دئے مگر ایسا جانتا ہوں کہ میرن صاحب

اپنے جد کی نیاز کا روپیہ ' راہ ہی میں اپنے بازو سے کھول لیں گے اور تم سے صرف پانچ روپیے ظاہر کریں گے - اب سچ جھوٹ تم پرکھل جائے گا . . . .''

''سید صاحب اچھا ڈھکوسلا نکلا ہے ' بعد القاب کے شکوہ شروع کردینا۔ حضرت کا پتہ نہیں - ظاہرا برسات نے آنے نہ دیا۔ برسات کا نام آگیاسوپہلے تو مجملاً سنو ؟ ایک غدر کا لوں کا ' ایک ہنگامہ گوروں کا ؟ ایک فتنہ انہدام مکانات کا ، ایک آفت وبا کی ' ایک مصیبت کال کی - اب یہ برسات ' جمیع حالات کی جامع ہے - آج اکیسواں دن ہے ' آفتاب اِسطرح نظر آجاتا ہے جسطرح بجلی چمک جاتی ہے - رات کو کبھی کبھی اگر تارے دکھائی دیتے ہیں تو لوگ اُنکو جگنو سمجھہ لیتے ہیں مبالغہ نہ سمجھنا ' ہزارہا مکان گر گئے ' سیکڑوں آدمی ' جا بجا دب کر مرگئے - گلی گلی ندی بہہ رہی ہے - قصہ مختصر وہ اَنّ کال تھا کہ میںہ نہ برسا ' اناج نہ پیدا ہوا - یہ پن کال ہے' پانی ایسا برسا کہ بوئے ہوئے دانے بہ گئے..........

''...سنو صاحب! شعرا میں فردوسی' اور فقرا میں حسن بصری' اور عشاق میں مجنوں' یہ تین فن میں سر دفتر اور پیشوا ہیں - شاعر کا کمال یہ ہے کہ فردوسی ہوجائے - فقیر کی انتہا یہ ہے کہ حسن بصری سے ٹکر کھائے - عاشق کی نمود یہ ہے کہ مجنوں کی ہم طرحی نصیب ہو - لیلیٰ اس کے سامنے مری تھی' تمہاری محبوبہ تمہارے سامنے مری بلکہ تم اس سے بڑھکر ہوئے کہ لیلیٰ اپنے گھر میں اور تمہاری معشوقہ تمہارے گھر میں مری - بھئی! مغل بچے بھی غضب ہوتے ہیں جس پر مرتے ہیں اُسکو مار رکھتے ہیں - میں بھی مغل بچہ ہوں - عمر بھر میں ایک بڑی ستم پیشہ ڈومنی کو میں نے بھی مار رکھا ہے - خدا اُن دونوں کو بخشے اور ہم تم دونوں کو بھی ... ...''

''مرزا صاحب! ہم کو یہہ باتیں پسند نہیں ۶۵ برس کی عمر ہے -

پچاس برس عالمِ رنگ و بو کي سير کي هے - ابتدائے شباب میں ایک مرشد کامل نے نصیحت کی هے که هم کو زهد و ورع ملظور نهیں ' هم مانع فسق و فجور نهیں - پیو کهاؤ مزے اڑاؤ - مگر یهه یاد رهے که مصري کي مکهي بنو ' شهد کي نه بنو - میرا اِس نصیحت پر عمل رها هے کسي کے مرنے کا وہ غم کرے جو آپ نه مرے - کیسی اشک فشاني ' کہاں کي مرثیه خواني ' آزادي کا شکر بجا لاؤ - غم نه کهاؤ اور اگر ایسے هي اپني گرفتاري سے خوش ' هو تو چنا جان نه سهي منا جان سهي - میں جب بهشت کا تصور کرتا هوں اور سوچتا هوں که اگر مغفرت هو گئي - ایک قصر ملا اور ایک حور ملي - اقامت جاوداني هے اور اِسي ایک نیک بخت کے ساتهه زندگاني هے - اِس تصور سے جي گهبراتا هے اور کلیجه منه کو آتا هے - هے هے وہ حور اجیرن هوجائیگی - وهي زمردیں کاخ اور وهي طوبیٰ ' کی ایک شاخ ' چشم بددور وهي ایک حور ' بهائی هوش میں آؤ کهیں اور دل لگاؤ ....''

'' وہ مزے یاد آگئے کیا کهوں جي پر کیا گزري بقول شیخ علي حزیں

تا دسترسم بود زدم چاک گریباں + شرمندگي از خرقه پشمینه ندارم

جب داڑهي مونچهه میں سفید بال آگئے تیسرے دن چیونٹي کے انڈے گالوں پر نظر آنے لگے - اس سے بڑهکر یه هوا که آگے کے دو دانت ٹوٹ گئے ناچار مسي بهي چهوڑ دی اور داڑهي بهي - مگر یه اور کهئے که اس بهونڈے شهر میں ایک وردي هے عام ' ملا ' حافظ ' بساطي ' نیچه بند ' دهوبي ' سقه ' بهٹیاره ' جولاهه ' کنجڑه مُنهه پر داڑهي سر پر بال - فقیر نے جس دن داڑهی رکهي اسي دن سر منڈایا............''

اودھ پنچ لکھنؤ کا عہد

اودہ پنچ (لکھنئو) نے سنہ ١٨٦٧ع میں "زبان اور ظرافت کے چہرہ سے نقاب اُٹھائی" اودہ پنچ کے اُردوں میں سے منشي سجاد حسین، پنڈت رتن ناتھہ سرشار، مرزا مچھو بیگ ستم ظریف، پنڈت تربھون ناتھہ ہجر، نواب سید محمد آزاد، مولوی سید محمد عبدالغفور شہباز، منشی جوالا پرشاد برق، منشی احمد علي شوق، سید اکبر حسین، مولوي احمد علي کسمنڈوي کا نام خصوصیت کے ساتھہ لیا جاتا ہے اس میں شک نہیں کہ پنچ، ظرافت کا علمبردار تھا اور ظرافت کے اس بے پناہ آلہ نے زندگي کے کسي شعبہ کو اپنے وار سے محفوظ نہ رکھا - اُردو ادب میں اودہ پنچ، اپنے قسم کا اولین پرچہ تھا اور اکثر حیثیت سے وہ ظرافت وطنزیات کے رائج الوقت معیار کا بہترین ترجمان تھا، اس سلسلے میں بے موقع نہ ہوگا اگر پنڈت برج نرائن، چکبست آنجہاني کے وہ خیالات بھی ہدیۂ ناظرین کئے جائیں جو گُلدستۂ پنچ میں شایع ہوئے ہیں، فرماتے ہیں :-

"قوموں کے مذاق سلیم نے جو ظرافت کا اعلیٰ معیار قائم کیا ہے اس کو دیکھتے ہوئے ہم اودہ پنچ کي ظرافت کو بحیثیت مجموعي اعلیٰ درجہ کی ظرافت نہیں کہہ سکتے - لطیف ظرافت اور بذلہ سنجی و تمسخر میں بہت فرق ہے - اگر لطیف و پاکیزہ ظرافت کا رنگ دیکھنا ہے تو اُردو زبان کے عاشق کو غالب کے خطوں پر نظر ڈالنا چاہئے .... اودہ پنچ کے ظریفوں کي شوخ و طرار طبیعت کا رنگ دوسرا ہے - اُن کے قلم سے پھبتیاں ایسی نکلتي ہیں جیسے کمان سے تیر .... جو مظلوم اُن تیروں کا نشانہ ہوتا ہے روتا ہے اور دیکھنے والے اس کي بیکسي پر روتے ہیں - ان کے فقرے دل میں ھلکي سي چٹکي نہیں لیتے ہیں بلکہ نشتر کي طرح تیر جاتے ہیں - اُن کا ھنسنا، غالب کي زیر لب مسکراھت

۲۵۳۱۱

سے الگ ہے - یہ خود بھی نہایت بے تکلفی سے قہقہے لگاتے ہیں اور دوسرے کو بھی قہقہے لگانے پر مجبور کرتے ہیں - ''

یہ سب صحیح' لیکن اُس عہد کو مد نظر رکھئے جب اودھ پنچ' عالم وجود میں آیا ، اُردو کس رنگ میں تھی؟ اُردو لکھنے والے کس رنگ کے تھے؟ وہ فضا کیا تھی'سوسائٹی کا کیا رنگ تھا' پنچ پھر پنچ تھا اسپکٹیٹر نہ تھا اور نہ ہو سکتا تھا' بایںہمہ پنچ کے علمبرداروں میں ہر قسم کے لوگ تھے- وہ لوگ بھی تھے جو خود قہقہہ لگاتے تھے اور دوسروں کو بھی قہقہہ لگانے پر مجبور کرتے تھے اور ایسے افراد بھي تھے جن کو ایک طرف مسکرانے میں بھي تامل ہوتا تھا لیکن دوسري طرف سننے اور دیکھنے والے ہنستے ہنستے لوٹ جاتے تھے ان واقعات اور حالات کو دیکھتے ہوئے' جن کے ماتحت اودھ پنچ عالم وجود میں آیا ، یہ حکم لگانا یقیناً قرین انصاف ہے کہ اودھ پنچ نے بحیثیت مجموعی اچھي اور ہر قسم کی طنز اور ظرافت کا نمونہ پیش کیا - قہقہہ لگانا ، یا محض تبسم زیر لبی پر اکتفا کرنا ، یاایسا کرنے پر مجبور ہونا ، ظرافت یا طنز کی نوعیت پر اتنا منحصر نہیں ہے ، جتنا یہ چیزیں خود پڑھنے یا سننے والے کے ذوق اور ظرافت طبع پر منحصر ہیں- ایک پر لطف یا معني خیز فقرہ پر بد مذاق ایسا بے ہنگام قہقہہ لگا سکتا ہے جس سے بقیہ لطف اندوز ہونے والے' ہمیشہ کے لئے ہنسنے بولنے سے تائب ہو جائیں دوسري طرف ایک صاحب ذوق اس طور پر مزے لے سکتا ہے کہ کسی کوکانوں کان خبر نہ ہو - اکبر اور آزاد کے ادبي کارنامے' اس نظریہ کی بطریق احسن ترجمانی کرتے ہیں-آزاد پھر بھي کبھی کبھي کھل کھیلتے تھے لیکن اکبر کے قدم کو کہیں ایسی لغزش نہیں ہوئي اورہوئی بھی ، تو وہ جائز حدود سے آگے نہیں بڑھي -

پنچ کا یہ دور بالکل قدرتي تھا - مغربیت کا سیلاب بڑھتا چلا آ رہا تھا - مشرق کو زوال نصیب ہو چکا تھا - اس لیے طبایع ہر اس

چیز سے بیگانہ یا متنفر تھیں جس میں مشرقي آب و رنگ کي جھلک ہوتي - دوسري طرف ھر اُس چیز کو قبول کرنے کے لیے آمادہ تھیں جن میں مغرب کي چاشني ہوتي - پنچ نے ایک طرف اُن حیثیات سے بغاوت کي جو مشرق کے لیے باعث ننگ اور اس کي تباھي کا موجب تھیں - دوسری طرف اس نے اس کورانہ تقلید کے خلاف علم جہاد بلند کیا جس کی بنا پر لوگ دیوانہ وار مغرب کی پذیرائی اور پرستش کر رہے تھے۔ س میں شک نہیں بعض مواقع پر مثلاً گلزار نسیم کا مناقشہ ایسا ھے جس کا مذاق سلیم بمشکل متحمل ھو سکتا ھے بایںھمہ محض خسوف و کسوف کي بنا پر مہر و ماہ کو' کب تاریک کہا جا سکتا ھے -

بقول مرتب گلدستہ پنچ' منشی محمد سجاد حسین (۱۸۵٦-۱۹۱۵ ع مشہور اڈیٹر اودھ پنچ) نے' بلا کی شوخ طبیعت پائي تھی - بذلہ سنجی و ظرافت تو گویا مزاج کا خمیر تھي "

مسٹر گلید اسٹن کو لکھتے ھیں (" کھلے خط اور سر بستہ مضامین '')

" مولوي گلیڈ اسٹن صاحب طولعمرہ - دعائے خیر نصیب شما باد ! ایسے زمانہ میں' جبکہ چارونطرف سے ہوائے شر و فساد' ھر ملک سے مسموم بغض و عناد کے جھونکے آ رہے ھیں تمہارے حق میں اس سے بڑھکر مناسب' دنیا میں شاید ھي کوئي اور دعا ھو.......اوپري لیس پوت کے واسطے تمھاري ذات مخصوص ھے - مگر اس کے لوازم اور مسالوں کي فراھمي اور ترکیب سے تم ایسے محروم جیسے ھندوستاني' جودت سے - تم پولیٹکل دسترخوان کے اچھے خانساماں اور ھوشیار خدمتگار ھو - پکا پکایا کھانا' طیار ھانڈي' تم خوبی سے چن سکتے ھو - مگر ھانڈي

پکانے اور چیز تیار کرنے کے نام سے خاک دھول بکائن کے پھول ۔ تم نہیں جانتے کہ طرح طرح کے کھانوں کے واسطے کون کون مسالا کیونکر پیسا اور ترکیب دیا جاتا ہے ۔ کبابوں میں کس چیز سے گلاوٹ آتی ہے ۔ پلاؤ کو دم کیسے دیتے ہیں ۔ فارن پالیسی کا مزعفر اور متنجن' کیونکر خوشگوار چاشنی پیدا کرتا ہے ۔ کہتے ہیں جو کوئی چھچھوندر مار ڈالتا ہے اُس کے ہاتھ سے لذت جاتی رہتی ہے ۔ شاید ایسا ہی ہوا ہو ۔ مگر اب یہ ضرورت بےشک معلوم ہوتی ہے کہ پہلے اچھا باورچی اور رکابدار سب تیار کر لے ۔ پھر دستر خوان لگانے اور خاصہ چکھنے کے لیے تم بلائے جاؤ ''

,, پیارے کارسپانڈنٹ کا پیارا خط' پیارے سالے کے نام ''

,, میرے پیاری جورو کے عزیز بھائی '' خدا تم کو نیک راہ پر چلائے جس میں تمہاری بہن پژمردہ رہکر مجھکو پریشان نہ رکھا کریں ۔ افسوس تمہاری بےکاری اور اس پر شادی کی خواستگاری ۔ تمہاری بہن کو تو بڑی خوشی ہے کہ ایک پیاری' تربیت یافتہ بھاوج ملیگی مگر بھائی میں ایک سلجھی ملنے کی آرزو میں سالے کو برباد کرنا پسند نہیں کرتا......رہی یہ بات کہ دنیا میں شادی ایک ضروری فعل ہے ۔ خدا کی ودیعت اس سے بڑھتی ہے.......مگر یہ تو تب ہی ہونا چاہئے' جب پہلی کا وقت گذرا جاتا ہو اور دوسری میں فتور پڑتا ہو .. ....دو برس اور کالج نہ چھوڑو ۔ بی ۔ اے اور ایل ایل بی ۔ پاس کر لو.... رات دن پڑھنے کی جگہہ' کچہری اور سونے کے کمرے میں اپنے اور بی بی دونوں کے پیٹ بھرنے کی کوشش کرو ۔ دیکھو کیسا جلد دولت والے ۔ گھر والے ۔ خدا کی قدرت ظاہر کرنے والے ۔ اس کی ودیعت بدیعت کے بڑھانے والے مشہور ہو جاؤگے ۔ اور اس حالت میں تو مَیں ہرگز شادی کرنے کی صلاح نہ دونگا ۔ تمہارے تو باپ کی بھی دولت نہیں ہے

اور ہوتی تب بھی میں باپ کی قوت پر شادی کی صلاح نہ دیتا ''

"نیچر کا مارشل لا "

"........جس طرح ہماری سرکار، درندہ جانور پر، نر کی بہ‌نسبت مادہ مارنے سے دونا ڈیوڑھا انعام دیتی ہے کیونکہ وہ تو پیدائش کی جڑ ہے۔ اسیطرح حضرت عزرائیل نے عورتوں پر چھری پھیرنا شروع کر دی کہ نہ یہ ہونگی نہ انسان، برسات کے مینڈکوں کی طرح، گلی کوچوں میں کچھ کچا کے پیدا ہوگا، نہ مردم شماری کے نقشے آئے دن غلط ہوا کریں‌گے۔ آپہی ایک دفعہ نقشہ بھر لیا۔ سو دو سو برس کو کافی ہے کبھی کبھی جانچ کرلی۔ فوتی قراری کا نام ذالدالا، یہ روز کا قلم جاری رہتا تو موقوف ہوگا "۔

پنڈت تربھون‌ناتھ سپرو، ہجر۔

محترم‌الاحترام :—.........بھئی لکھنو کا بھی محرم یاد رہےگا۔ ہم خرما و ہم ثواب۔ دنیا اور عقبیٰ دونوں کے فائدے۔ زیارتوں میں قند‌مکرر کی حلاوت۔ روحانی اور جسمانی دونوں لذتیں......بی حیدرجان کے سوز نے کیا کیا چھوتیں لی ہیں کہ واہ جی واہ۔ وہ رکھب گندھار لڑتی ہوئی ٹیپ کی تانیں تھیں کہ سبحان اللہ سبحان اللہ۔ ایک ہی مصرعہ کی تقسیم میں ملتانی، سری راگ اور بھیرویں کی چھاؤں دکھائی دی اور پھر کیا مجال کہ پڑھتے وقت چہرے پر شکن آتی۔ ایسا گلے کا لوچ اور آواز میں سوز وگداز دیکھا نہ سنا......"

منشي جوالا پرشاد' برق (البرٹ بل)

"........پیارا بل ہاتھہ سے بے ہاتھہ ہوگیا - اس کي پیدائش پر کیا کیا ناز تھے - اس کے والدین نے اسے کیسے کیسے لاڈ سے پالا........ سوتیلی ماں کے پالے پڑا - ماں باپ ہاتھہ مل کر رہ گئے.........جن پر ہمیں بھروسا تھا' جو ہماری خیرخواهي کا دم بھرتے تھے' وهي دغا دے گئے - وقت پر نکل کھڑے ہوئے - کاندھا ڈالدیا - گویا ہم بیچو بیچ سمندر میں ایک ٹاپو پر اُترے تھے - کھانا پکایا دستر خوان بچھایا - جیسے هي کھانے کو ہاتھہ بڑھایا کہ دفعتاً جزیرہ هلنے لگا اور دم کے دم میں سب غڑاپ سے سمندر میں - افوہ دھوکا ہوا تھا - وہ جزیرہ نہ تھا - وہیل مچھلي کي پشت تھي........."

مغرب اور مغربیت کے خلاف' نواب آزاد نے جس معنوں اور دلنشین پیرایه میں طنز کي ہے اس کا جواب' بحیثیت مجموعی اردو ادب میں ملنا دشوار ہے - آزاد کي طنز و ظرافت میں جو چیز نہایت نمایاں اور بامزہ ہے وہ ان کي خلقي شگفتگي ہے - کینہ پروری اور زہر ناکی کا عنصر کہیں نمایاں نہیں ہے - اس اعتبار سے ان کو اُردو ادب کا ہوریس اور چاسر کہنا نا موزوں نہ ہوگا آزاد نے هندوستان کے سیاسي اور معاشرتي رجحانات پر نہایت جامع طریق سے اظہار خیال کیا ہے - ان کي طنز اور ظرافت' اتني صحیح اور جامع' اور ادب و انشا کے صحیح معیار کي اس درجہ حامل ہیں کہ ان کے بقائے دوام پر دو رائیں ہونا تقریباً نا ممکن ہے - بایںہمہ اس سے انکار بھي نہیں کیا جاسکتا کہ نواب آزاد کی تحریریں' اکثر کافی حد تک عریاں ہیں اور کہیں کہیں تبسم زیرلبی کے بجاے' دانتوں تلے اُنگلیاں بھي دبانی پڑتی ہیں ان کے مضامین کے جستہ جستہ اقتباسات درج ذیل ہیں۔

نواب سید محمد آزاد، آئی، ایس، او :—

نواب آزاد، اپنی عفت بیگم کو نئی روشنی کی تلقین فرماتے ھیں -

" میں تو یہاں پڑھنے آیا ھوں - مگر کیا خاک کتاب دیکھوں کوئی آن، کوئی وقت، کوئی لحظہ بھی تو آئینۂ خیال کسی پری‌وش کے جلوہ سے خالی نہیں رھتا- جب کسی فرنگن کی واترسلک کی گون پر آنکھہ پڑ جاتی ھے - مجھے تمھارا گرنٹ کا پائجامہ کس نفرت سے یاد آتا ھے - جب کسی کی میم کو دوسرے صاحب کے ساتھہ بے تکلفانہ ناچتے کودتے دیکھتا ھوں، تمھاری شرم ایک تیر کی طرح دل کے پار ھوجاتی ھے - جب کسی معزز لیڈی کو بیف کے تکڑے پر ھاتھہ صاف کرتے دیکھتا ھوں تمہارا چپاتیوں کو حنائی انگلیوں سے کھٹکنا یاد آتا ھے اور کیا جی گھبراتا ھے.........یہاں کی عورتیں، واللہ عورتیں نہیں ھیں تمہارے لکھنؤ کی بیگمیں نہیں ھیں کہ بھوت کا قصہ سنکر ڈریں، شیر کے نام سے کانپ جائیں - توپ کے آواز سے تھر تھرانے لگیں.........ایک چپاتی کھانے پر غرور کریں، حضرت عباس کی درگاہ تک جانے کو حج کا سفر جانیں - حوران انگلستان ایک دم میں پرانے بھوت سر سے اُتار دیں.........شیروں کے شکار کا تماشا دیکھنے جاتی ھیں - موقع اور محل سے ھاتھی پر بیٹھکر گولی بھی لگاتی ھیں.........سیر کرنے روم اور جزائر اور سوئٹزرلینڈ کے پہاڑوں پر، مرد احباب کے ساتھہ بلکہ اکثر اوقات تنہا بھی چلی جاتی ھیں.........اپنے شوھروں کو وطن میں چھوڑ کر عجائبات روزگار دیکھنے، دور دراز ملکوں میں چلی جاتی ھیں اور اپنے تجربہ کو پختہ کرتی ھیں - بڑے بڑے لال کلّے اور سفید کلّے والے سفیروں سے ڈٹ کر ھاتھہ ملاتی ھیں.........کسی کے مرجانے سے برسوں لباس سیاہ پہنکر پینتی کھاتی اور ناچتی گاتی اور اس کی روح کی دعوت میں مصروف رھتی ھیں.........عمر بھر پارسا

بلکہ گرجوں میں پادری صاحبوں کے ہاتھہ پر صبح و شام توبہ کرتی ہیں ․․․․․․․․ اگر میں تم کو ساتھہ لاتا' تو سارا لندن تمہارا تماشا دیکھتا․ ․․․․․․ بیسیوں نوجوان لارڈ اور ڈیوک روزانہ مجھسے ملنے آتے․․․․․․․ میرا کام مفت میں نکلتا ـ یہاں عورتوں کی سفارش' ہر قسم کی سفارش سے زورآور اور پر اثر ہے ـ ان کی سفارش سے بڑے بڑے جلسوں کا ممبر بنتا ہے ـ ان کی سفارش سے عہدہ ہائے جلیلہ ملتے ہیں ـ ان کے ذریعہ سے اعلیٰ درجہ کی صحبتوں میں رسائی ہوتی ہے ـ ان کی سفارش سے وزرا کی حکمت عملی میں فرق آجاتا ہے ـ ان کے دباؤ سے بڑے بڑے مدبّر' اپنی رائے بدل ڈالتے ہیں․․․․․․․․․․ مگر جب تک تمہارے باپ (جن کو میں ایک بڑے اور نیم مردہ قاز سے تشبیہہ دے سکتا ہوں) زندہ ہیں' بہت سی دقتیں پیش آئیں گی․․․․․․․․․․․" ـ

ایک دوسرے خط میں (ڈیر پاپا) والد بزرگوار کو مخاطب کیا ہے :—

"․․․․․․․․ یہاں کے ہوٹلوں اور مکانات عام میں' اکثر نوکروں کی جگہہ خوبصورت ؛ طرحدار ؛ تربیت یافتہ ' چست اور چالاک' کمسن عورتیں ہیں اور یہی لوگ ہر قسم کا کام' دن کو اور رات کو دیتی اور کرتی ہیں ـ اور اس خوش اخلاقی اور مروت سے پیش آتی ہیں کہ آدمی' اُن پر جان دینے لگتا ہے ـ حضور کے سر مبارک کی قسم' میری تو یہ کیفیت ہے کہ بے اختیار ان کو سارے محبت اور اخلاق کے گلے سے لگا لینے کو جی چاہتا ہے․․ ․․․ حضور اگر دس ہزار روپئے سے میری تائید کریں' تو میں یہیں شادی کرسکتا ہوں ـ اور ایک بڑی قابل' حسین اور صاحب جائداد دلہن کو لے کر وہاں آسکتا ہوں ـ اس کی طرف سے تو کورٹ شپ کے لئے اصرار ہے مگر میں نے چونکہ حضور کی مرضی اس بارہ میں دریافت نہیں کی' اس لئے مجکو اب تک

انکار ہے ....اگر میری شادی میری پسند کے موافق یہاں ہوجائے اور میں اپنی بی‌بی کو لے کر وہاں آوں اور چورنگی میں بر لب میدان ایک ہوا دار اور پر شوکت ایوان میں رہوں - تو اس وقت حضور دیکھ سکتے ہیں کہ میری ولائتی بی‌بی اپنی لیاقت اور اخلاق سے کلکتہ کے اعلے درجہ کی صحبتوں میں کیسی رسائی پیدا کرتی ہے - روز کتنے دیسی ؟ سویلین اور ملٹری' جن کو خداوند کہتے کہتے آپ کی زبان خشک ہوتی ہے - میری میز پر صبح و شام کھاتے پیتے اور ناچتے گاتے ہیں اور ہم لوگوں سے اور یورپین لوگوں سے کیسی بے تکلفی اور دوستی رہتی اور ہوتی ہے..........یوں میم ہونے کے سبب سے اماں جان اور ابا جان اور خالہ اماں' اس سے نفرت کریں تو یہ دوسری بات ہے مگر صورت' سیرت دیکھکر تو خدا کی قسم پھڑک ہی جائیں گی - اس بارے میں اور عزیزوں سے صلاح کرکے حضور مجھے جلد اپنی رائے سے آگاہ فرمائیں - کیونکہ اب میرا کلیجہ درد ہجراں سے منہ کو آتا ہے اگر وقت معینہ پر جواب عریضہ نہیں ملا تو شاید میں عالم اضطراب میں کورٹ شپ شروع کردوں اگر بعد اس کے آپ نے خلاف میں رائے ظاہر کی تو آپ کو ہرجہ دینا ہوگا..........''

ایک دوسرے عریضہ میں ڈیر پاپا کو اخلاقیات کا سبق دیا گیا ہے '

''.......حضور کے سرفراز ناموں میں نہ تو کہیں امورات تمدنی پر رائے زنی ہوتی ہے نہ کسی مسئلہ اخلاقی پر بحث ؟ نہ گورنمنٹ کی کاروائی پر نکتہ چینی ؟ نہ جنگ کابل کا حل - پھر کیا آپ نے مجھے بارہ تیرہ ہزار روپیہ خرچ کر کے ممانی اماں کی خفگی ؟ اماں جان کی بدمزگی ؟ خالہ اماں کی لڑکی کی شادی ؟ چھوٹے بھائی کے مکتب اور محلہ والوں کی شادی غمی کی خبروں کے سننے کیلئے یہاں بھیجا ہے - میں حضور کے سرفراز ناموں کو اس طرح چھپاتا ہوں جیسے

عورت عمر ؟ مجروص داغ ؟ کیونکہ خدانخواستہ اگر حضور کا غیر مہذب مراسلہ، یہاں کسی کے هاتھہ پڑ جاے تو پھر لندن میں میرا رهنا مشکل هوجاے اور شاید فرط غیرت سے میں خودکشي کرلوں ․․․․․․․․․ حضور برابر تاکید فرما رهے هیں کہ یہ هیچ میرز بھی چھوٹی بیگم کي شادی کے بارے میں راے دے ․․․․․․ افسوس هزار افسوس کہ اب تک خیال شریف میں یہ موتي بات بھي نہیں آتي کہ جب تک آدمي انگریزی نہ پڑھے کبھي زیور علم و اخلاق سے واقف اور نسواں کے فرشتہ سیرت اور حور نژاد فرقے کي قدر و منزلت سے آگاہ نہیں هوسکتا - للّٰه ایکبار ․․․․․․․ تشریف لائیے اور خاندان کي ساری مستورات کو لیتے آے - پھر دیکھئے عورتیں کس طرح رهتي اور مردوں کي جودت کي کل کو اپنی گرما گرمي اور باضابطہ اور پاک ناز نخرے سے کس طرح گھماتي رهتي هیں - ․․․․․․․․ میری راے میں چھہ برس تک تو شادی کا ذکر هي نہ کریں - ابھي اُس کی عمر هی کیا هے صرف ۱۷ برس - اور یہ عمر شادي کے واسطے مہذبوں میں نہیں هے - چھہ سال بعد اس کو دولھا پسند کرنے کا موقعہ دینا چاهئے ․․․․․․․ پس میری خواهش یہ هے کہ آپ جلد اس کا سامان سفر درست کریں ․․․․․․ اس کے آنے کا بندوبست بخوبي سہل طور سے هوسکتا هے یعني حضور اخبار دیکھتے رهیں - جب کوئي طالب‌العلم یہاں آنے والا هو اس کے سپرد کردیں اور اگر یہ نہ هوسکے تو کسي حاکم یا نیل والے کے ساتھہ بھیجیں کیونکہ ایک یوروپین کے ساتھہ وہ زیادہ آرام سے آسکیگی - نیٹو لوگ مستورات کی قدر نہیں جانتے ․․․․․․․ هاں شاید آپ یہ کہیں کہ اماں جان کی مفارقت، چھوٹي بیگم کو گوارا نہ هوگي اس کا جواب یہ هے کہ حضرت والدہ صاحبہ کے آنے میں کون سي قباحت هے کیونکہ حکام عالي مقام کي میم لوگ جب برسوں ان سے جدا

رہ سکتی ہیں تو آپ نے اگر تھوڑے عرصہ کے لئے اپنے سے جدا کیا تو مضائقہ کیا ہے ۔۔۔۔۔۔۔"

نواب آزاد نے ایک ڈکشنری بھی اپنے مخصوص رنگ میں تصنیف کی ہے جس کے متعلق پروفیسر شہباز کا خیال ہے کہ " اس رنگ نے وہ عام مقبولیت حاصل کی ہے کہ اس وقت کے کل رنگ پھیکے پڑ گئے " حقیقت یہ ہے کہ یہ ڈکشنری بجائے خود اس عہد کی صحیح اور سچی تصویر ہے اور اسی عہد کی نہیں ' بلکہ چونکہ یہ ' حقیقت اور انسانی فطرت اور معاشرت پر مشتمل ہے اس لئے آئندہ ایک نامعلوم مدت تک اس کی کارفرمائی رہے گی - چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں -

پالسی :—گیدڑ بھپکی ' ہوائی بندوق کی آواز ' کمزور کو دبانا ' زبردست سے ڈرنا ' ممبران پارلیمنٹ کا آپس کا ناز و نیاز ' کسی کے جلتے ہوئے گھر سے تاپنا '

انٹرسٹ (حقوق) :—وہ چیز جس کی حفاظت ضروری نہیں ' ایک قسم کی تمدن کی مچھلی جو کبھی جال میں نہیں پھنستی '

پارٹی فیلنگ (پاسداریٔ جماعت) :— غول بیابانی کا قائم مقام بنکر اپنے ہم قوموں کو راہ راست سے بھکانا ' بے وجہ کسی سے عداوت ازلی '

سویلزیشن :—اپنے ہموطن کو نیم وحشی جاننا - اپنے بزرگوں کو " اولڈ گوس " (پرانا قاز) کہنا ' ہارمونیم کی گت پر ' برانڈی کی دھن میں' پیروں سے تال دینا-

تعلیم نسواں :— عام جلسوں میں اپنی بہو بیٹیوں کو لے جانا -

اپنی میم کا ' ناچنے کے جلسہ میں ایک وقت کے لئے
دوسرے کی میم سے تبادلہ کرنا

کارشلس :—ایک خاص قسم کا مادہ سنگ مثانہ جو مدبّروں کے
دماغ کا جزو لاینفک ہے اور جس کو کسی ڈاکٹر نے
آج تک پہچانا نہیں ' ہر قسم کے معاہدے کا ' خاص
ضرورتوں کے لئے توڑ دینا - ایمان کو حکمت عملی کی
اسپرٹ سے تر رکھنا -

پارلیمنٹ :—وہ پالی جہاں کا اصیل اور تیتری دونوں لڑے - تمدن
کے دنگل میں حکمت عملی کے مطابق وزرا کے چت پٹ
ہو جانے کا سہارا -

یورپین کنسرٹ (انجمن سلاطین یورپ) :—کمزور سلطنتوں کے لئے
بٹوارے کا نیا قانون - دوسروں کے انتظام خانگی میں
دست اندازی کا بہانہ ' محجوب المیراثوں کے
حقوق کا سرپرست ' مشرقی مسئلہ حل کرنے کی
کھرل ' اصیل کے واسطے سنگ ریزہ اور تیتری کے لئے دانہ '
احمد کا مردہ محمود کی قبر !

اولڈ پاپا (پدر بزرگوار) :—اثبات حلال زادگی کے واسطے بے نظیر
دلیل - بے ضرورت دنیا میں رہنے اور دنیاوی امور میں
دخل دینے کو ہر وقت طیار ' آزادی نسواں کے لئے
برق آفت ' انیسویں صدی میں مسلمانوں کی سب
سے بڑی شامت -

ان کے علاوہ اور بھی الفاظ ہیں مثلاً کورٹ شپ ' نہیلکس د نائکا '
ٹومنی ' الکشن زادہ ' آیا ' میاںجی وغیرہ ' جنکا اعادہ بخوف طوالت
نہیں کیا جاتا -

نواب آزاد نے "خمارستان کے تہذیب یافتہ مدکیوں کی تجارت کے جلسہ کا سالانہ ڈنر" بھی لکھا ہے۔ "حاضرین نکہت قرین" میں، مسٹر پینک الدولہ (چیرمین) چسکی الملک (گورنر صوبہ تریاک آباد) مرزا خماربیگ (راقم فوچو گزٹ) سید بانبو جنگ (کمانڈر انچیف افواج فغفوریہ) دھوانداز خاں (انسپکٹر جنرل چانڈو خانجات) موجود تھے۔

چیر مین نے اُس "شہنشاہ آفتاب نسب۔ عادل، انصاف گستر" کا جام صحت تجویز کیا ہے:۔

"..........جس کی رعیت سے بڑھ کر کسی کی رعیت، منکسرالمزاج، نرم طبیعت اور تہذیب یافتہ نہیں اور جس کی نیک نیتی اور پاک طینتی کی برکت سے افیون کی سی مفید، نفس کش اور مفرح چیز ہم لوگوں کے استعمال میں ہے... اور جس کی بدولت قوم حکمران نے ہم لوگوں کی جیب کا لاکھوں روپیہ پایا ہے (چیرس) یہ اسی متبرک چیز کی برکت ہے کہ ہمارے ملک کے لوگوں نے آج تک بجز اس کی یاقوتی رنگت کے، خون کی رنگت تک خواب میں نہیں دیکھی، اور یہ اسی کی کرامت ہے کہ صدھا سال سے ہمارے کان، بجز سامع نواز آواز بانبو کے، توپ و بندوق کی وحشت انگیز اور عافیت سوز آواز سے آشنا نہیں..........ایسے ایسے کامل پروفسر لوگ ہماری یونیورسٹی میں ہیں جو برسوں مراقبے میں ستارے اور بروج

کا حال دریافت فرماتے رہتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔"

اس کے بعد مرزا خماربیگ نے یوں گہر افشانی فرمائی :-

"۔۔۔۔۔۔۔میری دلی مسرت اور بڑی عزت کی یہ بات ہے
کہ میرے سپرد اس جلیل‌القدر مہمان کا توسط
ہوا ہے جو آج اتنے بڑے صوبہ کا گورنر ہے اور جس
کی قلم کی نوک پر ہم لوگوں کے اقبال و ادبار
کا دار و مدار ہے۔۔۔۔۔۔۔۔میں اپنی خوش نصیبی
سے گورنر ممدوح کا ذاتی دوست بھی ہوں اور
اکثر میں نے لڑکپن میں اپنی ولایت کی چراگاہوں
میں ان کے ساتھ چھوٹے چھوٹے سور کے خوشنما اور
خوش رفتار اور نیک اطوار بچوں کو چرایا ہے -
جو صفائی اور رونق کہ سرشتہ آبکاری کی ، ان
کی زمان حکومت میں ہوئی ہے ایسی کبھی آج تک
دیکھی نہیں گئی تھی اور صرف شراب اور افیون
کی تجارت کو ترقی دینے سے اس قلیل عرصہ
میں تہذیب اور علم ایسا شائع ہوئے کہ ہر
کوچہ و بازار میں شراب خانے اور مدک خانے
کثرت سے نظر آتے ہیں اور ان کے دیکھنے سے
نیک نیت آدمیوں کی آنکھوں کو بڑا آرام ملتا
ہے۔۔۔۔۔۔۔۔چیف کمشنر خرابہ کی رپورٹ سے ظاہر
ہوتا ہے کہ جب سے رم کو ان کوہستانی ملکوں میں
رواج کیا گیا ہے تب سے سیکڑے میں بیس آدمی
آگے سے زیادہ قحط کی سختی اور خوف کو کم کرنے کے
لئے دارالبقا میں نشیمن کرتے جاتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔"

اس کے بعد ان سب کا جواب دینے کے لئے چسکی‌الملک (آنکھہ ملتے ہوئے) اتھہ کھڑے ہوئے - سب سے پہلے انہوں نے مرزا خمار بیگ کا شکریہ ادا کیا - فوچو گزٹ اور دیگر اخبارات اور آنریبل ممبران کونسل کی گرانقدر خدمات کا اعتراف کیا اور پھر یوں گویا ہوئے :-

"..............اس ملک کے انتظام کی باگ لیتے ہی میں نے آبکاری کی طرف اپنی کامل توجہ مبذول کی اور اس میں جو کچھہ ترقی ہوئی ہے اس کا حال عام شفاخانوں یعنے شراب خانوں اور چنڈو خانوں کے نقشوں کی طرف دیکھنے سے ظاہر ہوسکتا ہے - افیون کا تجربہ ہمارے ملک چین میں ساتھہ کامیابی کے ہوچکا تھا اور اس لئے اس پر مجھے کامل بھروسہ تھا اور شراب نے انگلستان کو جو فائدہ پہونچایا ہے اس سے میرا ذہن خالی نہ رہا - الحمدللہ کہ ان دونوں چیزوں کے شائع کرنے اور پھیلانے سے خاطر خواہ ؛ عمدہ اور زود اثر ثمرہ ملا - افیون نے یکقلم خونریزی ؛ ڈاکے ؛ بغاوت اور خانہ جنگیوں کا انسداد کردیا اور شراب نے تجارت کو چمکایا - ضعیف‌القوی آدمیوں کو ہر قسم کی محنت کرنے کی طاقت بخشی ؛ عہدہ داران فوجداری کے فائل کو بھاری کیا ؛ کونسلیوں کے جیب و دامن بھردئے - گورکنوں کی تعداد بڑھائی ؛ آئندہ قحط کا کامل طور پر انسداد کیا - اور فروغ

علم و تہذیب مغربی سے اس وحشي ملک کے
لوگوں کے دل و دماغ کو نوراني بنادیا.......
فقط افیون و شراب سے علمي ' اخلاقي اور تجارتي
ترقي هي نہیں بلکہ آئندہ کے لئے بلائے قحط
کا شائستہ عنوان سے انسداد هوگیا اور ساتھہ اس
کے عمدہ اصول '' بیکب کرشمہ دوکار'' سے خزانہ شاهي
بھی مالا مال هوگیا اور گورنمنٹ فغفوریہ کے
دوالا نکلنے کا خوف جاتا رها.........بعض
صاحبوں کي یہ دلیل کہ هوم ملٹري خرچ کو
کم کردیا جائے تو ٹکس اور قحط کی ضرورت جاتی
رهے کیونکہ بے انتہا روپیہ خمارستان کے چیني
مدکیوں کا اُڑ جاتا هے ' محض بے کار هے - کوئي
اس کو غور نہیں کرتا کہ اگر دلاوران چین اس
ملک کی حفاظت نہ کرتے تو کیا ملک ؟ اجنبی
دشمنوں اور اندروني بغاوت کے صدموں سے محفوظ
رہ سکتا ؟ ابھي تک خمارستاني فوج اس قدر
لائق اور تربیت یافتہ نہیں هوئي کہ ان پر تکیۂکامل
کیا جاسکے اور یہ باهر کے دشمن کي فوج
سے لڑائي کر سکیں - گو متعدد چنڈو خانے ؟ جو
همارے چیني انجینیروں کے بنائے هوئے حصار
هیں مختلف مقامات ملک میں بنائے گئے هیں '
وهاں چیني رجمنٹیں رهتي هیں مگر ابھی تک
اس کثرت سے یہ خیالي قلعے نہیں بنائے گئے
کہ چیني فوج کا پیکن سے منگوانا موقوف هوسکے

اور هوم ملٹري خرچ گھٹایا جائے.........؟"

ضمناً کچھہ روئداد جنجال کونسل بھی سنئے :-

آنریبل بابو بگلا چرنداس :- سوال - کیا گورنمنٹ کو اس کی واقفیت نہیں ہے کہ بسبب کثرت محنت دماغي اور ملیریل اور مرطوب مقامات میں رہ کر کام کرنے کے ' ایک کثیر تعداد منصفوں اور سب ججوں کی ' مرض آب نزول میں مبتلا ہوکر بے وقت کی موت کی دعوت هی صرف نہیں کرتی ہے بلکہ اپنے فرائض کے انجام دهي سے روز بروز قاصر هوتی چلي جاتي ہے - اگر گورنمنٹ کی توجه اس طرف ملتفت هوئی ہے تو کیا تدابیر ' ان وفا شعار اور قیمتی عہدہ داروں کے اس آفت سے بچانے کي کر رهي ہے یا کرنا چاهتي ہے - یہ بھي جاننے کی ضرورت ہے کہ گزشته پانچ برس میں اس مرض کی سٹیز سے کتنے عہدہ داروں نے دارالبقا کا سفر کیا ہے اور کتنوں نے مجبوراً پنشن لے لي ہے -

آنریبل مسٹر فوکس :- جواب :- جس مرض کے حسرت ناک طور پر ممبران جوڈیشل سروس میں پھیلنے کي طرف آنریبل ممبر نے توجه دلائی ہے اس کی خبر گورنمنٹ کو ہے مگر ان کو یہ جاننا چاهئے کہ جن اضلاع میں یہ عہدہ دار مامور هیں وهاں سیکڑے میں پچھتر آدمي کو اس قسم کا مرض ہے اور اس کی کثرت ؟ آب و هوا کے خاص اثر پر موقوف ہے جس میں گورنمنٹ کو کچھہ دخل نہیں - علاوہ بریں تجربہ سے دیکھا گیا

ہے کہ اس قسم کے امراض سے کسی قسم کا خلل ، ان عہدہ داروں کے کام کے انجام دھي میں واقع نہیں ہوتا ہے بلکہ وہ ایک استقلال اور تسکین کے ساتھہ اپني جگہہ قائم رہ کر اپنے فرائض منصبي کو مضبوطي کے ساتھہ انجام دینے کے عادی ہوتے چلے جاتے ہیں اور کسي طرح یہ مرض ان کے ظاہري اقتدار اور اعتبار میں خلل انداز نہیں ہوتا ہے اور نہ ان کے وزن کو پبلک کي آنکھہ میں گھٹاتا ہے ....گورنمنٹ اس کو خلاف تہذیب سمجھتي ہے کہ ایسے امراض کے متعلق کوئی نقشہ پر کروا کر ممبروں کي واقفیت کے لئے پیش کرے اور شاید تمام آنریبل ممبروں کو ، ایسي زیادہ دلچسپي ، ایسے نقشوں سے نہیں ہے..........''

گرما گرم تار کی خبر :۔ تاریخ ۱۷ مارچ ، ۱۹۱۱ع

''دو چار دن سے یہاں کے سفارتی حلقوں میں بڑي ہلچل مچي ہے اور یہ بات اب یقین کے قریب ہے کہ وہ ژولیدہ ، نیمجاں ، بد آواز اور وحشي کاکانوا ، جو باسفورس کے کنارے ایک بڑے ایوان عالیشان میں سرخ تاج پہنے ، ایک خوفناک تمدني اڈے پر نیم غنودگی کے عالم میں ، اپني بے پروائی اور سرکشي کي غیر مہذب اداؤں سے سلاطین یورپ کے نازک خیالات عظمت اور بے غرضانہ صلح جوئی کی عادت کو برسوں سے سخت صدمہ پہونچا رہا ہے ، آساني سے مشکل اور

پیچیدہ مسئلہ مشرقي کے سلجھانے کے لئے اپنے
بیش قیمت اور خوبصورت پروں کو نوچنے نہ
دیگا ''

مولوي سید محمد عبدالغفور ' شہباز ' کي نظموں (طنزیات) میں جو بات سب سے پہلے ناظرین کي توجہ جذب کرتي ہے وہ اُن کي اِنتہائي بے ساختگی ہے - اُن کے کلام میں شاعرانہ بلاغت ؟ لطافت شعري یا ردیف و قافیہ کی برجستگي یا موزونیي ' تلاش کرنا بے سود ہے - انہوں نے اپنی رواني فکر اور جودت تخیئل کو اصطلاحي پابندیوں پر خواہ مخواہ نہیں قربان کیا ہے - بعض بعض مواقع پر یہ بھی محسوس ہوتا ہے کہ مذہب اور ملت کی طرف سے استغنا ھي نہیں روا رکھا ہے بلکہ ایک حد تک بے پروائي کو دخل دیا گیا ہے - اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ وہ مذہب و ملت کو اسي قابل سمجھتے تھے' روا نہیں ہے - اصل یہ ہے کہ بسا اوقات خیالات کي برجستگي اور شگفتگی خود بخود ان حدود میں داخل ہوجاتی ہے جو کسي دوسرے صنف کلام کے شاعر یا نثار کے لئے ارض ممنوعہ کي حیثیت رکھتي ہیں - اس قسم کا ''تجاوز'' شعرا کے لئے جائز رکھا گیا ہے - کیونکہ ناظرین' اس حقیقت کو پہلے ھي سے محسوس کرتے ہوتے ہیں کہ یہ محض شاعرانہ تفنن ہے جس کو اعتقادیات سے کوئی نسبت نہیں ہے -

شہباز نے ایک موقعہ پر ''حضرت رمضان کا فوٹو'' اس طور پر کھینچا ہے -

دو ہفتہ سے گھر میں مرے وارد رمضاں ہیں
جھلّے یہ کچھہ ایسے ہیں کہ سب ان سے بجاں ہیں

ہے شام مہینوں ہی میں جاکر کہیں آتی
سنتے کہیں برسوں ہی میں مغرب کی اذاں ہیں
مسجد میں ہیں ترتیل و قراءت کے وہ جھگڑے
آمین کی جا مقتدی کہتے الاماں ہیں
ہوتی ہی نہیں ختم کسی طرح سے رکعت
مغرب پہ تراویح کے یاروں کے گماں ہیں
مغرب ہی چلی جاتی ہے مغرب سے عشا تک
سن لیتے کبھی اسمیں ہی مرغوں کی اذاں ہیں
مسجد سے جو آئے تو پھرے گھر سے خدا کے
الفاظ ہیں جو شکر کے سب ورد زباں ہیں

شہباز کے "سلجھے ہوئے خیالات" میں ایک جگہ داڑھی یوں اُلجھی ہوئی ہے :—

بلائیں جھالر اسے عرش و کرسئی رحمن
رکھیں فلک اسے سر پر سمجھ کے کاہکشاں
لگائے آنکھ سے دیکھے اسے جہاں رضواں
ادب سے چھوتے ہی چومیں حور اور غلماں
نعیم خلد کی ہلتی یہ درشلی داڑھی

مسلمانوں میں "آثار اقبال" ملاحظہ ہو؟

اہل اسلام ہیں اب راہ پہ آئے جاتے
ہیں کچھ آثار سے اقبال کے پائے جاتے
ہنس تو دیتے ہیں نہ روئیں اثر غیرت سے
کر کبھی قوم کے خاکے ہیں اُڑائے جاتے

دستخط چندوں کی فہرست پہ کر دیتے ہیں
دے بھی دیتے ہیں بہت گر ہیں ستائے جاتے
شوق سے بیف ، مٹن ہمرہ مسٹر بیکن
کھاتے سچ مچ ہیں جو جھوٹوں ہیں کھلائے جاتے
"فانکٹوا" سے بھی زیادہ نہیں ان کو انکار
کورٹ شپ کے ہیں اگر دام میں لائے جاتے
بار اٹھاتے ہیں وہ اکثر ولدالکلبوں کا
گو یتیموں پہ ہیں کچھ رحم دلائے جاتے

پنڈت رتن ناتھہ سرشار اور سجاد حسین کے بارے میں مولوی عبدالباری آسی صاحب نے اپنی تصنیف تذکرۂ خندۂ گل میں بعض نہایت گرانقدر خیالات کا اظہار فرمایا ہے جن کا جستہ جستہ اقتباس درج ذیل ہے :—

"..........سرشار نے جو کچھہ سیکھا وہ اودھ پنچ سے سیکھا اور باوجود اس کے کہ وہ شگفتہ بامحاورہ نثر لکھنے میں مشاق تھے ، ہر طبقہ ہر فرقہ کے حالات اور محاورات سے باخبر تھے ، ظرافت نگاری ان کا جزو تحریر ہوگئی تھی مگر سجاد حسین مرحوم کی ظرافت سے اس کو ذرّہ اور آفتاب کی بھی نسبت نہیں ہے - رتن ناتھہ سرشار جب ظرافت پر آتے ہیں تو کچھہ رسوم و رواج کے نقشے کھینچ کر ، کچھہ مضحکات پیدا کرتے ہیں کچھہ اس فرقہ کے حالات لکھتے ہیں اور اس میں محاورات کو داخل کرتے ہیں ، کچھہ اصطلاحات خاص لاتے ہیں ، کچھہ ضرب‌الامثال سے زینت کلام میں مدد لیتے ہیں ، کچھہ ہنسنے ہنسانے والے الفاظ استعمال کرتے ہیں ، کچھہ کلام کو طول دیتے ہیں ، کچھہ مشاہیر کے تڑپانے والے اشعار

موقع بے موقع لکھتے ہیں تب کہیں جاکر عبارت میں ایک لطف پیدا ہوتا ہے - اس میں بھی ایک نقّاد کی پہلی نظر نکتہ چیں کو آورد کا عیب صاف اور کھلا ہوا نظر آتا ہے اور دوسری نگاہ خوردہ بیں ؟ طوالت کلام کی وجہ سے ہر داستان کو لقدھور بن سعد ان کی داستان خیال کرنے لگتی ہے - رنگین الفاظ کے قالب ظرافت کے نقش و نگار سے مزیب اور مزین معلوم ہوتے ہیں مگر وہ لعبت چیں سے زیادہ نہیں ہوتے نہ اُن میں کوئی روح ہے نہ جان - عام نظروں کو دھوکا دینے میں البتہ مدد کرتے ہیں - اُس کے مقابلہ میں سجاد حسین مرحوم کی عبارت کو دیکھئے تو وہ عربی ؟ فارسی کے بلیغ اور وزنی الفاظ کی ثقالت کے باوجود بھی اتنی رنگین ظرافت میں ڈوبی ہوئی ہوتی ہے کہ دیکھنے والے کو کوئی حصہ اور کوئی بیرونی اور اندرونی پردہ اس سے خالی نظر نہیں آتا - غور کرنے پر اُس کے لطف میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے - ایک ایک سادہ فقرہ بھی اُن تمام فرائض کو ادا کرتا ہے جنہیں سرشار ایک ایک کرکے جمع کرتے ہیں - ایجاد ؟ ایجاز و اختصار ؟ فصاحت ؟ بلاغت ؟ ہر جگہہ دوش بدوش نظر آتی ہیں - ایک ایک پھبتی ظرافت کے ایک ایک دفتر کا جواب ہے - ہر فقرہ پکارتا ہے کہ جس جگہہ میں ہوں اُسی کے لئے وضع ہوا ہوں؟ ہر جملہ بتاتا ہے کہ اس رنگ خاص کا میں ہی آغاز ہوں اور مجھی پر اس رنگ کا اختتام ہے - راقم الحروف جب سجاد حسین کی کسی عبارت کو دیکھتا ہے تو نعمت خان عالی یاد آتا ہے ؟ صرف زبان کا فرق رہتا ہے باقی کچھہ نہیں .... - ؟؟

آسی صاحب نے سجاد حسین اور سرشار کا جو موازنہ یہاں پیش کیا ہے وہ خود ؟ آورد ؟ سے خالی نہیں ہے اور صرف

'آورد ' ہی نہیں بلکہ اُس میں ایک سنگین تضاد بھی موجود ہے - سرشار کی ظرافت پر جو تنقید پیش کی گئی ہے (قطع نظر اُس سے کہ اِس کا اطلاق سرشار پر ہوتا ہے یا نہیں) وہ تقریباً حرف بحرف خود نعمت خان عالی پر صادق آتی ہے - اگر سجاد حسین کو سرشار پر ترجیح ہے اور آسی صاحب کو اِس پر اصرار ہے تو سجاد حسین کو نعمت خان عالی سے دور کی نسبت بھی نہیں دینا چاہئے - نعمت خان عالی کے مضامین ان صفات سے قطعاً مُعرّا ہیں جو (بقول آسی صاحب) سجاد حسین کی امتیازی خصوصیات ہیں - میرے نزدیک تو یہ زیادہ بہتر ہے کہ سجاد حسین کے بجائے سرشار کو نعمت خان عالی سے تشبیہ دیجائے اور یہ بھی محض اُن خیالات کی بنا پر جن کا اظہار آسی صاحب نے سرشار کے بارہ میں کیا ہے - نعمت خاں عالی کا ہنسنا اور ہنسانا دونوں مصنوعی ہوتا ہے - سجاد حسین کی تصانیف کے تقریباً سارے کردار اس محرومی سے محفوظ ہیں - نعمت خان کی ظرافت یا طنز "الفاظ" سے اور سجاد حسین کی "واقعات" سے وابستہ ہوتی ہے - اور راقم السطور کے نزدیک نعمت خان عالی اور سجاد حسین کی تصانیف پر یہ خیال آخری فیصلہ نہیں تو آخری فیصلہ پر جلد سے جلد اور براہ راست پہونچنے کا بہترین و آخر ترین وسیلہ ضرور ہے!

سرشار کی سب سے بہتر اور اُن کے کمالات کی بہترین نمائندہ تصنیف "فسانہ آزاد" ہے - اور اِس میں شک نہیں وہ سجاد حسین کے حاجی بغلول سے جامعیت میں کسی طرح کم نہیں ' خوجی کا کیریکٹر ' حاجی بغلول سے زیادہ متنوع ہے - حاجی

بغلول ایک طور پر ڈکنس (Charles Dickens) کے پک وک ابراڈ (Pickwick Abroad) کا نامکمل اور ایک حیثیت سے ناقص چربہ ہے لیکن اس حقیقت سے کسي کو انکار نہیں ہوسکتا کہ حاجي بغلول ' اُردو طنزیات اور ظرافت میں منفرد حیثیت رکھتا ہے اور اب تک اُس کا جواب اُردو میں کہیں نظر نہیں آیا ہے ۔

ہاں تو امر متنازعہ فیہ یہ تھا کہ سرشار کا فسانہ آزاد کہاں تک آورد اور تصنعات غیر ضروري سے پاک یا آلودہ ہے ۔ مولانا آسي صاحب نے اس بارے میں جو خیال ظاہر کیا ہے اُس کے بارہ میں آساني سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ موصوف نے صحیح مقدمات (صغریٰ وکبریٰ) سے غلط نتیجہ نکالا ہے ۔ آزاد نے زندگي اور معاشرت کے ہر پہلو پر علیحدہ علیحدہ اظہار خیال کیا ہے ۔ اِس کے لئے مختلف حالات و حوادث پر مخصوص انشا اور مخصوص مصطلحات ' مخصوص الفاظ اور فقروں کا لانا ضروری تھا ۔ ہر مصنف یا اکثر کو ان ضروري مراحل سے گزرنا پڑتا ہے ' چنانچہ نعمت خان عالي کو بھی انھیں نشیب و فراز سے گزرنا پڑا ' لیکن جہاں نعمت خان عالی اور سرشار ایک دوسرے سے علیحدہ ہوجاتے ہیں ' وہ ذوق اور مقاصد کا اختلاف تھا ' سرشار کے سامنے منزل مقصود تھي ' نعمت خان عالي کے سامنے صرف وسیلۂ سفر تھا ' دونوں کے ذوق اور مقاصد جداگانہ تھے ۔ فن ادب اور انشا میں یہ چیزیں مصنف کی قسمت پر آخري فیصلہ ہوتی ہیں ۔

سرشار کي تحریر کا جستہ جستہ نمونہ حسب ذیل ہے :—

"........خواجہ صاحب کو بیماري کے سبب سے سخت

پریشان ہوتے تھے مگر چانڈو خانے میں بیٹھنے کا چسکا اور پھر یہ بھی خیال تھا کہ اب جہاندیدہ ہوگئے ہیں چلکر ذرا چانڈو خانہ میں سیر و سیاحت کا حال تو دیکھیں ڈولي منگوا کر سوار ہوئے اور چٹ چانڈو خانے میں داخل - لوگوں نے ان پر نظر ڈالي تو متحیر کہ یہ نئي پنچھي کون پھنسے ! (خوجي) :- سلام علیکم یاران - سلام علیکم برادران (امامي) مالیکم بھائي مالیکم آؤ کہاں سے آنا ہوا (خوجي) ذرا تکنے دو پھر کہوں - مگر میں بیٹھہ نہیں سکتا - دو برس لڑائي پر خستہ ہوگیا جب دیکھو مورچہ بندی ' ہر دم ساز و سامان سے لیس؟ مر مٹے مگر وہ نام کیا کہ ساري دنیا میں مشہور ہوئے اور قسم جناب والد ماجد کی روح کي ' شیطان بھي ایسا مشہور نہ ہوا ہوگا - جیسا بندہ نے نام کیا یہ سب اس کي کریمي ہے (امامی) لڑائي کیسی - اب اس زمانہ میں خانہ جنگیوں تک کا ذکر تو سننے میں نہیں آتا ' لڑائي کیسي (خوجي) تم بسم‌اللہ کے گنبد میں بیٹھے بیٹھے کیا جانو (قادر) چانڈو کی نکالي چھوڑ کر—کیا روم روس کی لڑائي سے آتے ہو کیا - اور تو کوئي لڑائی نہیں سني ہاں ایران والے اور توران والے سے بھی مورچہ بندي ہوگئي تھي - (خوجی) تم کیا جانو روم روس کي لڑائي کا حال (قادر) روم والے نے روس کے بادشاہ سے کہا کہ جس طرح تمہارا چچا ہم کو خراج دیتا تھا اسي طرح تم بھي دیا کرو مگر اس نے نہ مانا اسي بات پر تکرار ہوئي تو روم کے شہنشاہ نے کہا اچھا اپنے چچا کے مقبرہ میں چلو اور پوچھو دیکھو کیا آواز آتي ہے - بس صاحب سننے کي بات ہے کہ (وہاں چانڈو کے چھینٹے اُڑنے لگے) - بس جناب روس والےنے کہا ہم نہ دینگے تو اس بات پر تکرار ہوئي - روم کے شہنشاہ کے پاس

حضرت سلیمان کي انگشتری تهي اور وه انهوں نے کسي فرشتے یا موکل کي مدد سے هوا پر بهیجي تو صدها جن حاضر هوئے بادشاه نے حکم دیا که روس میں هر چار طرف آگ لگا دو تو روس کي چار دیواري جلنے لگي - روس والے نے سب وزیروں کو جمع کرکے کہا که آگ بجهاؤ تو سوا کروڑ سقے مشکیں بهر بهر کے پاني لئے کهڑے تهے اور مشکیں اتني اتني بڑي که دو لاکه من پاني جن میں آئے - (خوجي) کیوں صاحب یه آپ سے کس نے کہا هے (امامي) اجي یه نه پوچهو - ان سے سب فرشتے کهه جاتے هیں (قادر) بس صاحب سننے کي بات هے که سوا دو کروڑ مشکیں جنمیں في مشک دو لاکهه من پاني تها ملک کے چاروں کونوں پر پڑتي تهیں مگر آگ بهڑکتي جاتي تهی تو بادشاه نے حکم دیا که دو کروڑ لاکه سقے کام کریں اور مشکوں میں چهتیس چهتیس کروڑ من پاني هو - (خوجي) اوگیدی کیوں اس قدر جهوٹ بولتا هے (شبراتی) میاں سننے دو بهائي عجیب آدمي هو (قادر) اجي آپ لکهنؤ کے رهنے آدمی ان ملکوں کا کیا حال جانیں - روم روس مازندران توران انوپ شهر کا حال همسے سنئے (امامي) وهاں کے لوگ بهی دیو هوتے هیں دیو (قادر) روس کے بادشاه کی غذا کا حال سنو تو چکرا جاؤ - سویرے منهه اندهیرے چهه بکروں کي یخني - چار بکروں کے کباب، دس مرغ کا پلاؤ اور دو موریلے ترکیب کے ساتهه کهاتے هیں اور نوبجے کے وقت سو مرغ کا شوربه اور دس سیر ٹهنڈا پانی، باره بجے جواهرات کا شربت کبهي پچاس من کبهي ساٹهه من؟ چار بجے دو کچے بکرے دو کچے هرن؟ دو کچے کبوتر جنگلي؟ شام کو شراب کا ایک پیپه اور پهر رات گئے گوشت کا ایک چهکڑا - (امامي) جب تو طاقتیں هوتي هیں که سو سو آدمیوں

کو ایک آدمي مار ڈالتا ھے ؟ ھندوستان کا آدمي کیا کھاکر لڑے
گا (شبراتي) ھندوستان میں اگر ھاضمے کی طاقت کچھہ ھے بھي
تو چانڈو کے سبب سے وِاّلا نہ سب کے سب مرجاتے (قادر) اسمیں کیا
کلام ھے پھائي صاحب دریں چہ شک (امامي) سنا ھے ھاتھي
سے تنہا مقابلہ کرتے ھیں روس والے (قادر) ھمسے سنو - دس
ھاتھي ھوں اور ایک روسي دسوں کو مار ڈالیگا - ھاتھی کي مستک
پر گھونسا مارا اور وہ چنگھاڑ کے بیٹھہ گیا ؟ بیٹھا اور مرگیا
(خوجي) روس جانے کا کبھي اتفاق ھوا ھے آپ کو (قادر) اجی ھم گھر
بیٹھے ساری دنیا کي سیر کر رھے ھیں (خوجي) یارو ھم کس
سے کہیں ابھي جنگ کے میدان سے آتے ھیں ھمنے تو وھاں ھاتھي
دیکھے ھي نہیں -- (قادر) روم والوں نے جب آگ لگادي تو گیارہ برس
گیارہ مہینے گیارہ دن گیارہ گھنٹے جلا کي - اب جاکے پرسوں ذري ذري
آگ بجھی ھے (خوجي) اُف فوہ سر پیٹنے کو جي چاھتا ھے - ارے
یارو اس جھوٹ پر خدا کي مار (قادر) آپ کي تو صورت ھي کہے
دیتي ھے کہ آپ روم ضرور گئے ھیں (خوجي) بھلا روم کي
دارالسلطنت کا نام کیا ھے (قادر) مرزبان ' دس کوس اِدھر دس
کوس اُدھر پہاڑ ھے (خوجي) مرزبان نام تو کوئي شہر ھي نہیں -
تم کیا جانو مرزبان وہ شہر ھے جہاں ' خیبر ' اور پریاں پہاڑوں
پر رھتي ھیں اور دس کوس کے فاصلے پر آدم زاد اور پہاڑوں پر
وھاں بادل روئي کے گالوں کی طرح چشموں میں پاني پي پي
کے آسمان پر جاتے ھیں اور آسمان کے رھنے والوں کو پاني پلاتے
ھیں (خوجي) یا خدا ان لوگوں کو سیدھے ڈھرے لگا (قادر)
اچھا بتاؤ روم کے بادشاہ کا نام کیا ھے (خوجي) ھمسے پوچھتے
ھو خدا کي شان (قادر) ھاں ھاں آپسے پوچھتے ھیں - بتائیے

(خوجي) سلطان عبدالحمید خاں بہادر غازي (قادر) هلسکر واہ واہ بس بس آپ خاک نہیں جانتے (امامی) پھر یہ کیا کہتے ہیں کہ ہم روم سے آتے ہیں (قادر) بھلا لڑائي کا انجام کیا ہوا بتائیے (خوجي) پلونا کی جنگ میں سپہ سالار ترک قیدھو گیا ، قلعہ ہمارے ہاتھہ سے نکل گیا اور روسیوں نے فتح پائی (قادر) کیا کہتا ہے بدبخت خبردار جو اب ایسا کہا ہوگا تو انلے پونتیں ماروں گا کہ بھرکس ہي نکل جائے گا - (نواب) جي میں آتا ہے کہ اس وقت ان کی مرمت کروں (امامي) ہمارے بادشاہ کے حق میں بري بات نکلنا کیا معنی - بد خواہ ' بے ادب آدمي - بچہ یہاں ایسي باتیں کروگے تو پٹ جاؤگے اور سلئیے اچھے ملے (خوجی) سنو صاحب ہم شاهي کے کسہدان ہیں اور (قادر) اب زیادہ بولو گے تو اُتھکر کچومر هی نکال دوں گا ؟ ہمسے بڑھکر روم کا حال تو جانتا ہے (خوجي) جناب آپ تو پڑھے لکھے آدمي ہیں (قادر) قسم خدا کي اگر ذرا بولے تو بھیگی نہیں - (امامي) اب تم بے پٹے نہ جاؤگے کہا (شیرانی) یہ ہیں کہاں کے ؟ قبر سے نکل بھاگا ہے کیا - صورت تو دیکھو مردے کي سی !

---

۵۵ (آزاد) پیر و مرشد صف شکن علي شاہ وہاں ملے تھے (نواب) بہ آواز بلند - واہ ؟ لو صاحب سنو ارے مرا صف شکن علي شاہ ! (مصاحبین) بآواز بلند - جزاک اللہ جزاک اللہ ' واہ رے صف شکن علي شاہ (خوجي) خداوند اس ذات تربت کا بٹیر بھي کم دیکھا (نواب) دیکھا هي نہیں کم کیسا (مصاحبین) حق ہے حق ہے واللہ بہت صحیح ہے (نواب) ارے میاں

حضور ذرا گھر میں اطلاع کردو کہ صف شکن علي شاہ بہ خیریت
ہیں معرکہدار وغیرہ میں انکو لوگ دیکھہ آئے ہیں - مہری نے
اندر جاکر ہنستے ہنستے کہا " سرکار مبارک ہو بڑی خوشي کي خبر
حضور کے زباني سننے میں آئي ہے حضور نے کہلا بھیجا ہے کہ ہمارے
صف شکن علي شاہ (مسکرا کر) روم کي لڑائي میں ہیں ؟ معتبر
لوگوں نے دیکھا ہے............ (نواب) بھلا کسي مورچے پر گئے
تھے یا نہیں دور ہي سے دعا دیا کئے (خوجي) خداوند غلام جو
عرض کرے گا کسي کو باور نہ آئے گا اور یہ آپکے پاجي مصاحب
مجھے جھوٹا بتائیں گے اور میں جھلاؤں گا اور منت کي تھائیں
تھائیں ہوگي - (نواب) کیا مجال - خدا کي قسم اب تم میرے
رفیق خاص ہوئے تمنے جو تجربہ حاصل کیا ہے - بھلا دوسرا تمہارا
مقابلہ کر سکتا ہے - (خوجي) یہ حضور کے اقبال کا اثر ہے
خداوند ورنہ من آنم کہ من دانم کا نقشہ ہے اذل خلائق ' ہیچمیرز ؟
ہیچمداں ؟ نالائق ' رد خلائق ' مردود ومطرود ' نا معقول ہوں
.... حضور بات یہ ہوئي کہ غلام لب چشمہ سار ایک
پیالي میں آہستہ آہستہ افیم گھول رہا تھا کہ بس درخت
کي طرف سے نظر کرتا ہوں تو نور کا عالم - یا الہي یہ ماجرا
کیا ہے ' یا خدا یہ کیا اسرار ہے غور کرکے دیکھتا ہوں تو
روشني ؟ پہلے تو میں سمجھا کہ چنار کا درخت ہے مگر دم
کے دم میں ہمارے حضور صف شکن پھر سے آن کر ہاتھہ پر بیٹھہ
گئے - (نواب) شکر خدا ہزار شکر خدا ؟ بڑے خوش ہوئے ہونگے
(خوجي) حضور جیسے کروڑوں روپیہ مل گیا ؟ دنیا بھر کی اقلیم
کے مالک بن بیٹھے ؟ حضور کا حال بیان کیا ؟ یہاں کا ذکر
چھیڑا ؟ سرکار کي بیقراري اور فراق میں نصیب اعدا گریہ و زاري

کا حال کہا ' بس حضور پھر تو یہ کیفیت تھی کہ کسی لڑائی میں غنیم جم ہی نہ سکے جنگ ہوئی اور روسیوں نے توپوں پر بتی لگائی اور ادھر مرے شیر نے کیل ٹھونک دی - (نواب) ایں ؟ آہاہاہا ؟ واللہ اے میرے صف شکن علی شاہ ! (مسیتا) خداوند، جانور کیا جادو ہے ' سحر ہے پرکالۂ آتش ہے (خوجی) بھلا اسکو کوئی بتیر کہہ سکتا ہے اور جانور آپ خود ہیں ؟ ایسا ثقیل اور سخت اور ناملائم لفظ انکی شان میں آپ استعمال کرتے ہیں - نا معقول! (نواب) مسیتا بیگ اگر تم کو اچھی طرح رہنا ہے تو رہو ورنہ اپنے گھر کا راستہ لو - اس کے کیا معنی ؟ آپ کو صف شکن کو جانور بنایا کل مجھے جانور کہو گے - مصاحب ہو کہ آقا ہو (مصاحب) خداوند بجا ارشاد ہوا یہ نرے پھوہڑ ہیں........ (بیگم) صف شکن علی شاہ اب کہاں ہیں - (نواب) واللہ مجھے یہ حال معلوم ہی نہیں تھا کہ جنگ و جدال میں بھی برق ہیں میں تو سمجھتا تھا کہ صرف خانہ جنگیوں ہی میں استاد ہیں - مگر اس نے تو جاکے توپوں میں کیلیں ٹھوک دیں - اللہ اللہ ' خدا جانے یہ سب سیکھا کس سے ہے ؟ (بیگم) یہ خدا کی دین ہے سیکھنے سے کہیں ایسی باتیں آتی ہیں (نواب) واللہ سچ کہتی ہو بیگم صاحب ؟ سچ ہے پیاری اس وقت تم سے جی خوش ہوگیا - اے غضب خدا کا ' کجا توپ کجا کیل ؟ کجا صف شکن ' خیال تو کرو ؟ سبحان اللہ سبحان اللہ (بیگم) اگر پہلے سے معلوم ہوتا تو صف شکن کو ہزار پردوں میں چھپا کے رکھتی - کبھی ہوا بھی نہ دیتی مگر اب تو جو ہوا سو ہوا - ہاں خوب یاد آیا سنو وہ تو ابھی جیتے جاگتے ہیں اور تم نے انکا مزار بنوا دیا - یہ کیا (نواب) واللہ خوب یاد دلایا ؟ پیش از مرگ

واویلا (بیگم) یہ تو صریح کوسنا ہوا کسي بیچارے کو (نواب) کوسنے کے علاوہ اسمیں اور فیہ بھي ہے فرض کرو سیر کرتے ہوئے اسیطرف آنکلے اور پڑھے لکھے تو ہیں ہي ؟ نظر پڑگئي ؟ کہ "مزار پر انوار میاں صف شکن علي شاہ" تو اس وقت کہیں گے کہ ماشا اللہ یہ لوگ میري موت ہي کے خواہاں تھے - کیا جھپاک سے قبر بنوادی ہے اس سے بہتر یہي ہے کہ کھدواڈالوں ورنہ بری ہوگي -

---

لسان العصر اکبر مرحوم کے کمال شاعري پر صحیح ؟ جامع اور مختصر ترین فیصلہ ' اگر اب تک کہیں مل سکا ہے تو وہ ترجمان حقیقت علامہ اقبال کا یہ ارشاد ہے ؟ -

حضرت اکبر حسین' اکبر الہ‌آبادی

سرِ ذروۂ طور معني کلیمے
بہ بُت خانۂ دور حاضر خلیلے
گہے گریۂ او چو ابر بہارے
گہے خندۂ او چو تیغِ اصیلے

اکبر کا زمانہ اکبر کے لئے عین مقتضائے فطرت تھا - مسلمانوں کے زوال کا ماتم حالي نے کیا ہے اور مرثیت کا دور ' حالي کے ساتھہ ہي ختم بھي ہوگیا - راقم‌السطور کے نزدیک حالی کي شاعري کا اخلاقي پہلو اس اعتبار سے نہایت اہم اور بلند ہے کہ اُن کا مرثیہ "تخریبي" ہونے کے بجائے یکسر "تعمیري" تھا - اُن کے قومي ماتم میں تخلیقي شان تھي - خاندانوں کي زندگي سے ملتي جلتی ہي زندگی اقوام کی بھي ہوتي ہے - مثال کے طور پر کسی خاندان کو لے لیجئے - فرض کیجئے کسي ظالم یا غاصب نے خاندان کو یکسر تباہ اور غارت کردیا ؟ پسماندگان '

فرط غم و الم سے زمین آسمان ایک کردیتے ہیں اور کچھ عرصہ تک کم و بیش یہی عالم رہتا ہے - مرور ایام سے حادثہ کی شدت کم ہو جاتی ہے بایں‌ہمہ اپنی حالت بہتر بنانے یا غاصب سے انتقام لینے کی کافی سکت نہیں ہوتی - اس وقت تھوڑا بہت ماتم، بہت کچھ طعن و تشنیع اور ہجو و ہزل سے دل کا بخار کم کیا جاتا ہے - یہ دور بھی ختم ہوتا ہے اور پسماندگان اپنی حالت کو قدیم سطح پر لانے اور ظالم سے انتقام لینے پر اپنے آپ کو جری پانے لگتے ہیں یہ وقت رجز اور حرب و ضرب کا ہوتا ہے - ٹھیک اسی طور پر ہماری سوسائٹی' ہماری شاعری اور ہمارے شعرا کی بھی ابتدا' ارتقا اور انتہا ہوتی ہے - حالی نے سلطنت مغلیہ کے زوال پر اسلام اور اسلامیوں کا ماتم کیا - اکبر نے طنز اور ظرافت سے کام لیا اور اقبال نے نعرہ جنگ بلند کیا - انہیں وجوہ کی بنا پر راقم‌السطور کے نزدیک حالی' ماضی کے، اکبر حال کے اور اقبال' مستقبل کے شاعر قرار دئے جاسکتے ہیں -

حالی نے خود ایک جگہ کہا ہے :-

ہیں یہ باتیں بھول جانے کی مگر کیونکر کوئی
بھول جائے صبح ہوتے ہی وہ سب شب کا سماں
بزم کو برہم ہوئے مدت نہیں گزری بہت
اُٹھ رہا ہے گل سے شمع بزم کے ' اب تک دھواں

اقبال فرماتے ہیں :—

من صدائے شاعرِ فرداستم

یا

دیکھتا ہوں دوش کے آئینہ میں فردا کو میں

اب دیکھنا یہ ھے کہ کن حالات کے ماتحت اکبر نے اپنا پیام رسالت ھم تک پہونچایا ھے ۔ اس زمانہ میں اغیار کی دراز دستی، اقربا کی سادہ لوحی، برادران یوسف کی بے اعتنائی و سرد مہری، مذھب و ملت کی کس مپرسی، حکومت کا استیلا، مغربیت کا سیلاب بلا، ایسی چیزیں تھیں جن کا نہ تو ماتم کیا جاسکتا تھا اور نہ مقابلہ، مجبوراً شاعر نے درمیانی راستہ اختیار کیا ۔ وہ طعن و ھجو سے مرافعہ کرتا ھے، ھنسا ھنسا کر رولاتا ھے اور کھلا کھلا کر مارتا ھے ۔ تلخ حقائق کو شربت کا گھونٹ بنا دیتا ھے، روتا ھے تو ایسی صورت بنا کر کہ لوگ ھنستے ھنستے رو پڑیں، ھنستا ھے تو اس انداز سے کہ لوگوں کے گریہ گلوگیر ھوجائے ۔

اکبر کے عہد کا بہترین خاکہ جو اب تک راقم السطور کی نظر سے گزرا ھے اور جو اپنی معقولیت اور جامعیت کا خود ھی نظیر ھے، مولانا عبدالماجد صاحب بی ۔ اے ۔ دریا بادی کا وہ حصۂ مضمون ھے جو رسالہ اُردو بابت ماہ اپریل سنہ ۱۹۲۳ ع میں شائع ھوچکا ھے ۔ ممدوح نے جس خوبی، بصیرت اور بلند آھنگی سے حالات اور واقعات کا مرقع کھینچا ھے، اس کا یہاں تذکرہ ناگزیر ھے ۔ ان کو مد نظر رکھکر لسان العصر کے شاعرانہ کمال کا اندازہ لگانا آسان بھی ھوگا اور مفید بھی ۔ وھوھذا

" اکبر کی شاعری کی نمود و ترقی کا زمانہ، انیسوین صدی عیسوی کا ربع آخر اور بیسوین صدی کا خمس اول ھے ۔ یہی زمانہ ھندستان میں مغربی تمدن، مغربی اخلاق، مغربی معاشرت، غرض مغربیت کے انتہائے عروج و شیوع کا ھے ۔ اکبر جب دنیا سے روشناس ھوتے ھیں تو اُن کے ملک و قوم کی یہ حالت ھے کہ غدر ۱۸۵۷ ع کو فرو ھوئے چند سال گزر چکے ھیں ۔ ھندوستان بیرونی

مداخلت و تسلط کے شکنجہ میں پورے طور پر کسا ہوا ہے - مسلمانوں کی قوم خصوصیت کے ساتھہ اپنی شامت اعمال کے نتائج بھگت رہی ہے - اسلامی اخلاق ، اسلامی آداب ، اسلامی شعائر ، مدت ہوئی ' رخصت ہوچکے ہیں - ثروت و خوشحالی کا اول تو وجود ہی عنقا ہورہا ہے اور پھر جو کچھہ ہے بھی ، وہ عیاشیوں ، نفس پرستیوں کے لئے وقف ہے - تعلیم وتربیت ، اتفاق و اتحاد ، نظم و انتظام ، ضبط و خود داری ، ہمت و بلند نظری ، صداقت و حق پرستی ، قناعت اور ایثار میں سے کوئی ایک شے موجود نہیں - عقائد میں تزلزل آچکا ہے ، ایمان کی مضبوطی ایک افسانۂ پارینہ رہ گئی ہے - حرص و طمع ، مکر و نفاق ، خود غرضی و غداری ، نفس پروری اور عیش پرستی کی گرم بازاری ہے - اُس کے مقابلہ میں برطانیہ کی عظمت کا نقش ہر دل پر بیٹھا ہوا ہے - داد خواہی کے لئے انگریزی عدالتیں ہیں ، تعلیم کے لئے انگریزی مدرسے ہیں ، سفر کے لئے انگریزی سرائیاں ہیں ' علاج کے لئے انگریزی شفا خانے ہیں ، رسل و رسائل کے لئے انگریزی ڈاکخانے ہیں ، مہاجنی کے لئے انگریزی کوٹھیاں اور بانک ہیں ، ماضی سے واقفیت کے لئے انگریزوں کی کتابیں ہیں ، حال سے باخبر رہنے کے لئے انگریزوں کے اخبارات ہیں ، مستقبل کی پیشینگوئی کے لئے انگریزی سائنس ہے ، عزت و حکومت کے لئے انگریزی عہدے ہیں ، حصول زر کے لئے انگریزی پیشے (بیرسٹری وکالت ڈاکٹری ، انجینیری وغیرہ) ہیں - زینت و آرائش کے لئے انگریزی مصنوعات اور انگریزی بازار ہیں ، نشاط وتفریح کے لئے انگریزی پارک اور انگریزی تماشہ ' تھیٹر وغیرہ ہیں - غرض جس طرف بھی رخ پھرتا ، حد نظر تک ایک غیر محدود نا متناہی پرچم ' انگریزی اقبال کا لہراتا

ہوا نظر آتا.......... سوتے ہوئے شخص کے کمرہ میں دفعۃً تیز روشنی کر دیجائے تو وہ سمجھے گا کہ آفتاب نکل آیا - یہی حال اِس وقت قوم کا تھا - اضطرار قلب ؛ انتشار خاطر ؛ اختلال حواس و اجتماع حوادث کے وقت' دیو میں پری کا حسن و جمال معلوم ہوا ؛ عجوز ہفتاد سالہ پر نازنین شانزدہ سالہ کا دھوکا ہوا - دیر میں حرم کا تقدس دکھائی دینے لگا -

اب مغرب کا جادو ساری قوم پر چل گیا - علم و فضل کا معیار کمال یہ قرار پایا کہ انگریزی زبان آجائے ؛ تلفظ انگریزوں کا سا ہوجائے ؛ اور انگریزی علوم سے واقفیت ہوجائے - تہذیب و شائستگی کی معراج یہ تھری کہ کھانا انگریزی کھایا جائے ؛ لباس انگریزی پہنا جائے اور انگریزی تقلید میں خاندان مشترکہ کے وجود کو ذلیل سمجھکر ضعیف والدین اور دوسرے اعزہ سے قطع تعلق کرلیا جائے - شرافت و عزت کا منتہائے خیال یہ قائم ہوا کہ ہر ممکن ذریعہ سے انگریزی عہدے حاصل کئے جائیں - انگریزی حکومت کی برکات کا وعظ کہا جائے اور اپنے ہم وطنوں اور ہم قوموں کو نقصان پہونچا کر انگریزی دربار میں رسوخ حاصل کیا جائے ؛ عقل و دانش کا یہ مفہوم قرار پایا کہ ہر انگریزی مصنف کے ہر قول پر بے چوں و چرا ایمان لے آیا جائے اور اپنے علوم و فنوں ؛ اپنے شعائر و رسوم ؛ اپنے عقائد و خیالات کو یکسر اوہام کا لقب دے کر انگریزیت کے صنم دلربا کے قدموں پر نثار کر دیا جائے - اُردو زبان' اِس لئے حقیر نظر آنے لگی کہ یہ ''سرکار'' کی زبان نہیں - پردہ کی رسم اِس لئے غلامئی نسواں کی مرادف نظر آنے لگی کہ انگریزی خواتین کا شعار بے حجابی کا ہے - تعدد ازدواج کا دستور اِس لئے شرمناک محسوس ہونے لگا کہ انگریزی قوم ایک سے زاید منکوحہ بیویاں رکھنے کے ضابطہ سے نا آشنا ہے - عرش کے انکار پر سب سے قوی دلیل یہ قائم ہوئی کہ انگریزی ہیئت اور جغرافیہ

کی کتابوں میں اس کا ذکر نہیں ۔ شیاطین ، جنات اور ملائکہ کے وجود کے ابطال کے لئے یہ دلیل قطعی نکلی کہ انگریزی سائنس' کسی آلہ کی مدد سے اُن کا مشاہدہ نہ کرسکی ۔ معجزات کا دعوی اِس لئے قابل مضحکہ ٹھہرا کہ مل اور اسپنسر اُن کے قائل نہیں ۔ نبوت اور الوہیت کے عقائد میں اِس لئے رخنے پڑنے لگے کہ ھکسلے اور ھیوم متشکک رہے ھیں......

بہر حال یہ فضا تھی جس میں اکبر نے اپنی آنکھیں کھولیں' یہ ماحول تھا جس میں اُنھیں اپنا پیام پہونچانا تھا.........فطرت کی جانب سے وہ ایک رسول ھوکر آئے تھے ۔ اُن کا پیام اُسی تحریک مغربیت کے خلاف ردّ عمل تھا ۔ اُن کی شاعری اول سے آخر تک اسی مادیت اور مغرب پرستی کا جواب ھے '' ۔

اکبر نے زندگی کے ھر شعبہ پر اپنے مخصوص رنگ میں اظہار خیال کیا ھے ۔ اُن کے یہاں بعض بعض الفاظ کے مخصوص معنی اور مفہوم ھیں جن کو وہ اس لطیف انداز سے اپنے کلام میں لاتے ھیں کہ اُن کا پورا مفہوم واضح ھوجاتا ھے حالانکہ اُن کی تشریح کی جائے تو ورق کے ورق سیاہ ھو جائیں اور پھر بھی کافی طور پر دلنشین نہ ھو سکیں مثلاً نیٹو ، بابو ، مولوی ، کمسریٹ ، اُونٹ ، بسکٹ ، بدھو ، بفاتی ، صاحب ، شیخ صاحب ، لاٹ صاحب ، ٹرٹ ، ڈارون ، کالج ، ڈنر ، اسپیچ ، کونسل ، کیمپ ، پریڈ ، کمیشن وغیرہ ۔

اِسی سلسلے میں مناسب ھوگا اگر یہاں اکبر کے مسلک کا بھی ضمناً تذکرہ کر دیا جائے ۔ اکبر مشرقیت کے دلدادہ اور ''مولویت'' سے بیزار ھیں ۔ وہ باطن کو ظاھر پر فوقیت دیتے ھیں ۔ وہ مغرب کی مادیت کو مذھب اور اخلاق کا دشمن سمجھتے ھیں ، وہ ھندوستان کی قومی تحریکوں کے حامی تھے ، لیکن ھز بونگ سے قطعاً بیزار تھے ، وہ شوھر پرست بیوی کو پبلک پسند لیڈی (Lady) پر ترجیح دیتے

ہیں - غرض کہ وہ اِن تمام باتوں کے خلاف جنگ آزما تھے جن کا تعلق بد مذاقی ، کورانہ تقلید ، بے تمیزی ، اور تنگ نظری سے تھا -

اب یہاں بعض عنوانات کے تحت میں لسان العصر کے کلام کا جستہ جستہ نمونہ پیش کیا جاتا ہے -

ظرافت اور زندہ دلی :-

یوسف کو نہ سمجھے کہ حسین بھی ہے جواں بھی
شاید نرے لیڈر تھے زلیخا کے میاں بھی

دُھن دیس کی تھی جس میں گاتا تھا اک دیہاتی
بسکٹ سے ہے ملائم پوری ہو یا چپاتی

کمیٹی میں چندے دیا کیجئے
ترقی کے ہجّے کیا کیجئے

چھوٹیں جو گائے ماتا حسرت سے اونٹ بولے
افسوس شیخ جی نے ہم کو پتا نہ سمجھا

فرمائیے ہیں یہ خوب بھائی گھورن
دنیا روتی ہے اور مذہب چورن

عاشقانہ آپ کی وحشت نہیں ہے اے جناب
چندے سے جب پوچھتے ہیں راہ ویرانے کی آپ

بلند ٹاپے میں تھے وہ بنگلے پر
صبح کے وقت ہنس پڑی اک مہم
جب وہ بولے بجائے ککڑوں کوں
"مرغ شاخ درخت لاہو تیسم"

بوڑھوں کے ساتھ لوگ کہاں تک وفا کریں
لیکن نہ موت آئے تو بوڑھے بھی کیا کریں

بسے بریگیڈ میں جاکر رفاقت اس کو کہتے ہیں
ہوئے مدفون تکئے میں اصالت اس کو کہتے ہیں

اولاد مرزا ہر طرف بدنام ہیں
ینگ بدّھو وارث اسلام ہیں

جس نے دل کو لے لیا ہے دل لگی کے واسطے
کیا تعجب ہے کہ تفریحاً ہماری جان لے

کہاں اور کس طرف قائم کروگے یادگار ان کی
دم آخر یہ ذکر ان سے کرو' یٰسین کیا ہوگی

وہ فقط وضع کے کشتہ ہیں نہیں قید کچھ اور
بھینس کو گون پلہا دیجئے عاشق ہجائیں

بتائیں آپ کو مرنے کے بعد کیا ہوگا
پلاؤ کھائیں گے احباب فاتحہ ہوگا

قوم کے غم میں ڈنر کھاتے ہیں حکام کے ساتھ
رنج لیڈر کو بہت ہے مگر آرام کے ساتھ

اسلام کی رونق کا کیا حال کہوں تم سے
کونسل میں بہت سید، مسجد میں فقط جمّن

حکم برٹش کا ملک ہندو کا
اب خدا ہی ہے بھائی صلّو کا

مذہبی بحث میں نے کی ہی نہیں
فالتو عقل مجھ میں تھی ہی نہیں

ممبر علی مراد ہیں یا سکھ ندان ہے
لیکن معائنہ کو وہی نابدان ہے

تھے معزز شخص لیکن ان کی لائف کیا لکھوں
گفتنی درجِ گزٹ، باقی جو ہے نا گفتنی

شیخ جی کے دونو بیٹے باہنر پیدا ہوئے
ایک ہیں خفیہ پولس میں ایک پھانسی پاگئے

مولوی صاحب نہ چھوڑیں گے، خدا گو بخش دے
گھیر ہی لیںگے پولیس والے سزا ہو یا نہ ہو

سیاسیات :—

یہی فرماتے رہے تیغ سے پھیلا اسلام
یہ نہ ارشاد ہوا توپ سے کیا پھیلا ہے

———

کونسل میں سوال کرنے لگے
قومی طاقت نے جب جواب دیا

———

بوزنہ کو رقص پر کس بات کی میں داد دوں
ہاں یہ جائز ہے مداری کو مبارکباد دوں

———

سر افرازی ہو اونٹوں کی تو گردن کاٹئے ان کی
اگر بندر کی بن آئے تو فیض ارتقا کہئے

———

اکبر سے میں نے پوچھا اے واعظ طریقت
دنیائے دوں سے رکھوں میں کس قدر تعلق
اُس نے دیا بلاغت سے یہ جواب مجھکو
انگریز کو ہے نیٹو سے جس قدر تعلق

———

سہئے اکبر ایسے کہ سہیں جور رذل بھی
کان ان کے وہ نازک کہ گراں میری غزل بھی

———

جب آنکھ کو کھلنے میں ہو جھپک جب منہ میں زباں جنبش سے ڈرے
اس قید میں کیونکر جینا ہو اللہ ہی اپنا فضل کرے

کیا ناز ہو ایسی ساعت پر افسوس ہے ایسی حالت پر
یا جھوٹ کہے یا کچھہ نہ کہے یا کفر کرے یا کچھہ نہ کرے

بے عزت ہو کے جو چلئے تو محلہ میں حقیر
باعزت ہو کے جو رہئے تو فرشتوں میں خفیف

جو پوچھا مجھہ سے دور چرخ نے کیا تو مسلماں ہے
میں گھبرایا کہ اس دریافت میں کیا رمز پنہاں ہے
کروں اقرار تو شاید یہ بے مہری کرے مجھہ سے
اگر انکار کرتا ہوں تو خوف قہر یزداں ہے
بالاخر کہدیا میں نے کہ گو مسلم تو ہے بندہ
و لیکن مولوی ہرگز نہیں ہے خانساماں ہے

مدخولۂ گورنمنٹ اکبر اگر نہ ہوتا
اس کو بھی آپ پاتے گاندھی کی گوپیوں میں

مذاق عشق :—

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

واہ کیا راہ دکھائی ہے ہمیں مرشد نے
کعبہ کو کردیا گم اور کلیسا نہ ملا

بتوں سے میل ' خدا پر نظر ؟ یہ خوب کہي
شب گناہ ' نماز سحر ' یہ خوب کہی

مچھلی نے ڈھیل پائي ہے لقمہ پہ شاد ہے
صیاد مطمئن ہے کہ کانٹا نگل گئي
حسرت بہت ترقئي دختر کي تھی اُنھیں
پردہ جو اُٹھگیا تو وہ آخر نکل گئي

اب نہ جنگي علم نہ جھنڈا ہے
صرف تعویذ اور گنڈا ہے
کیا ہے باقی جناب قبلہ من
کچھہ حدیثیں ہیں ایک ڈنڈا ہے
سو وہ ڈنڈا بھی اب ہے ضبط پولس
ہے زباں گرم قلب ٹھنڈا ہے

دنیا میں ہوں دنیا کا طلبگار نہیں ہوں
بازار سے گزرا ہوں خریدار نہیں ہوں
گو دعوئ تقوی نہیں درگاہ خدا میں
بت جس سے ہوں خوش ایسا گنہگار نہیں ہوں
افسردگي و ضعف کي کچھہ حد نہیں اکبر
کافر کے مقابل میں بھي دیندار نہیں ہوں

دین دنیا :—

خدا کے فضل سے بیوی میاں دونوں مہذب ہیں
حجاب اُن کو نہیں آتا اُنھیں غصہ نہیں آتا

کیا گذری جو اک پردے کے عدو رورو کے پولس سے کہتے تھے
عزت بھی گئي دولت بھی گئی بیوي بھي گئي اور زر بھي گیا

خامشي سے نہ تعلق ہے نہ تمکین کا ذوق
اب حسینوں میں بھي پاتا ھوں میں اسپیچ کا شوق

تعلیم کي خرابي سے ھوگئي بالاخر
شوھر پرست بیوي پبلک پسند لیڈي

ترقي کي تپیں ھم پر چڑھا کیں
گھٹا کي دولت اسپیچیں بڑھاکیں
رھیں ھر پھر کے آیا بی نصیبن
وہ گو اسکول میں برسوں پڑھا کیں

اک پیر نے تہذیب سے لڑکے کو اُبھارا
اک پیر نے تعلیم سے لڑکي کو سنوارا
کچھہ جوڑ تو اُن میں کے ھوے بال میں رقصاں
باقي جو تھے گھر اُن کا تھا افلاس کا مارا
بیرا وہ بنا کسپ میں ' یہ بن گئیں آیا
بي‌بي نہ رھیں جب تو میاں پن بھی سدھارا

دونوں جو کبھی ملتے ہیں گاتے ہیں یہ مصرعہ
آغاز سے بدتر ہے یہ انجام ہمارا

اُٹھ گئے وہ جنھیں مقدور تھا خودداری کا
نہ وہ تقویٰ نہ وہ تعلیم نہ وہ دل کی اُمید
ولولے لے کے نکلنے لگے کالج کے جوان
شرم مشرق کے عدو ، شیوۂ مغرب کے شہید !!

دو اسے شوہر و اطفال کی خاطر تعلیم
قوم کے واسطے تعلیم نہ دو عورت کو

شیخ صاحب ہی کا ہے بزم میں کیا رعب و وقار
کہ خواتین کو پبلک میں ہو وقعت کی امید

باپ ماں سے ، شیخ سے ، اللہ سے کیا ان کو کام
ڈاکٹر جنوا گئے تعلیم دی سرکار نے

تہذیب نو جسے تم کہتے ہو اس سے اکبر
دنیا بگڑ رہی ہے اب یا سنور رہی ہے
نقشوں کو تم نہ جانچو خلقت سے مل کے دیکھو
کیا ہو رہا ہے آخر کیسی گزر رہی ہے
دل میں خوشی بہت ہے یا رنج اور تردد
کیا چیز جی رہی ہے کیا چیز مر رہی ہے

اک علم تو ہے بت بننے کا ، اک علم ہے حق کے پڑھنے کا
اُس علم کی سب دیتے ہیں سند، اس علم میں ماہر کون کرے
جب علم ہی عاشق دنیا ہو، پھر کون بتائے راہ خدا
جب خضر اقامت پر ہوں فدا ، تائید مسافر کون کرے
سودا بھی رنگ طبع بشر، فطرت ہی میں ہیں اسباب جنوں
اکبر کو بھی ہوش آجائے تو پھر، اس کام کو آخر کون کرے

تعلیم جو دیجاتی ہے ہمیں وہ کیا ہے فقط بازاری ہے
جو عقل سکھائی جاتی ہے وہ کیا ہے فقط سرکاری ہے

ترقی کی نئی راہیں جو زیر آسماں نکلیں
میاں مسجد سے نکلے اور حرم سے بیبیاں نکلیں
مصیبت میں بھی اب یاد خدا آتی نہیں ہمکو
دعا منہ سے نہ نکلی پاکٹوں سے عرضیاں نکلیں

مذہب کے واسطے نہ شرافت کے واسطے
ہے اب تو جنگ حکم و تجارت کے واسطے
لے ہی گئے گھسیٹ کے مجھکو پریڈ پر
تیار ہو رہا تھا میں جنت کے واسطے

چرخ نے پیش کمیشن کہدیا اظہار میں
قوم کالج میں اور اُس کی زندگی اخبار میں
شوہر افسردہ پڑے ہیں اور مرید آوارہ ہیں
بیبیاں اسکول میں ہیں، شیخ جی دربار میں

مذہب ہے امر قولی سمجھو نہ فعل ذاتی
معذور سب ہیں اس میں گنگو ہوں یا وفاتی

شیخ جی کی نظر میں مَیں ہوں فقط
میری نظروں میں ساری دنیا ہے
بس یہی وجہ ہے کہ اے اکبر
مجھکو حیرت ہے اُن کو غصہ ہے

یہی فضائل یہی طبیعت ' رہی تو قسمت یہی رہیگی
زمانہ بدلے گا بھی تو پھر کیا' ہماری حالت یہی رہیگی
عمل جب اپنے نہیں ہیں اچھے' تو ذکر عصیانِ غیر کا کیا
عدو کی قسمت بگڑ بھی جائے تو اپنی قسمت یہی رہیگی

عبث ہے نظم بلیغِ فطرت جو رخ نہیں حسن مُدعا کا
حدیث عقبیٰ اگر غلط ہے تو کیا نتیجہ ہے ارتقا کا

رہتا بہت ہے شوق دلیل اور قیاس کا
مالک مگر نہیں ہوں میں اپنے حواس کا

ایک دن اور قیامت بھی کھسک آئیگی
اور کیا عرض کروں آپ سے' کل کیا ہوگا

روش ذہن بشر کی مدعی مطلق نہیں سمجھا
ترقی سے رہا محروم عادت کو یقیں سمجھا

صدیوں فلسفي کي چھاں اور چھنیں رھي
لیکن خدا کي بات جہاں تھي وھیں رھی

جہاں ھستي ھوئي محدود لاکھوں پیچ پڑتے ھیں
عقیدے ' عقل ' عنصر سب کے سب آپسمیں لڑتے ھیں

جو حرا کے جاننے والے تھے صوفي ھوگئے
داستان بدر والے شیعہ سنی ھوگئے

اکبر اپنے رنگ میں منفرد رہے ' اُن کے رنگ میں بعض لوگوں نے لکھنے کی کوشش کي ' لیکن اتنے بھي کامیاب نہ ھوئے ' جتنا مولانا ابوالکلام اور حسن نظامي صاحبان کے بعض متبع - حقیقت یہ ھے کہ آزاد (محمد حسین) ابو الکلام اور حسن نظامي کا طرز انشاء اُن کي ذات ھے ' صفت نہیں ' یہي معاملہ اکبر کے ساتھہ ھے - جس طرح دنیا میں ایک طرح کي دو ذات یا انفرادیت نہیں ھوتي اسي طور پر اُردو ادب میں ان بزرگوں کا جواب نہیں پیدا ھوا ' ممکن ھے ایسا ھونا ناممکن بھي ھو - یوں کہنے کو آزاد کے متبع آغا طاھر ' ابوالکلام کے عبدالرزاق ملیح آبادي اور حسن نظامی کے ظہور احمد وحشي کھینچ تان کر قرار دئے جاتے ھیں' لیکن "مولوی مدن" کی ڈاڑھي کا جواب کب نظر آیا - یہاں اس کہنے سے یہ مقصود نہیں ھے کہ اُن کا طرز انشا خامیوں سے پاک ھے ' لیکن مشکل یہ ھے کہ ان خامیوں کا بھي کہیں صحیح چربہ میسر نہیں آتا - مثلاً آزاد کبھي کبھی معني اور مفہوم کی ذمہ داری یا الجھیڑوں سے بچنے کے لئے الفاظ یا فقروں کی بازیگري شروع کر دیتے ھیں - مولانا ابوالکلام انھیں الفاظ اور

فقروں کو الوهیت اور نبوت کا جامه پهنا دیتے هیں اور سامع یا قاری کا ذهن اور دماغ پرسُش کے بجائے پرستش کی طرف مائل هو جاتا هے ۔ حسن نظامی اپنے الفاظ سے کبهی بچے معلوم هونے لگتے هیں اور کبهی مجذوب یا پهر ایسی رعایت لفظی پر اُتر آتے هیں جو اکثر نعمت خان عالی کو بهی سر بگریباں کرنے پر مجبور کر دیتی هے۔ با ایںهمه یه لوگ موجوده اُردو ادب میں ایسی قوت رکهتے هیں جو کم لوگوں کے حصه میں آئی هے ۔

خواجه حسن نظامی صاحب ایک جگهه فرماتے هیں ––

"نثر میں سب سے بہتر ظرافت لکهنے والے مولوی محفوظ علی صاحب بی ۔ اے ۔ ساکن بدایون هیں ۔ اُن سے زیاده نیچرل اور بے ساخته چلبلی اور از سر تا پا مرصع ظرافت کوئی نهیں لکهتا یا میرے علم میں نهیں هے .... اُن کے بعد پمبوق اور مسٹر شوکت علی کا نمبر هے ۔ مسٹر ظفر علی خاں کو بهی مذاقیه مضامین کا خاص ملکه هے، مگر میں اُن کو ایک دوسرے فن کے اعتبار سے اول درجه دوں گا یعنی وه کسی کی هجو کرنے میں ایسا کمال رکهتے هیں جس کی مثال اُردو نویسوں میں سوائے مرزا حیرت کے اور کهیں نهیں هے ۔ اگرچه میں مرزا حیرت کو فوقیت دیتا هوں کیونکه وه آسان اور نهایت میٹهی زبان میں هجو کرتے هیں اور ظفر علی خاں ادق اور مشکل عبارت میں" ۔

پنچ کے دور کے بعد جس نے سب سے پہلے "پنچانه رنگ" کو ترک کرکے "اسپکٹیٹر" (The Spectator) سے قریب هونے کی کامیاب اور مستحسن کوشش کی هے اس میں سید محفوظ علی صاحب بدایونی ، سلطان حیدر جوش ، پمبوق یا اولڈ بوائے کے کهلدڑے تهے همدرد (دهلی) کے ابتدائی دور میں "تجاهل عامیانه" کے ماتحت جیسے دلکش اور زعفران زار مضامین نکلے هیں وه تقریباً سب کے

حسب سید محفوظ علي صاحب کے قلم کے رهین منت تھے ۔ اس سلسلۂ مضامین میں بسوق مرحوم اور محمد فاروق صاحب ایم ۔ ایس ۔ سي ۔ (علیگ) المعروف بہ "حاجي صاحب" کا نام بھی لیا جا سکتا ھے ۔

بعض دیگر انشا پردازوں کے مضامین کے خلاف سید محفوظ علیصاحب کا ھر لفظ کانٹے کا تلا معلوم ھوتا ھے اور وہ جو کچھہ کہنا چاھتے ھیں ' ایسا معلوم ھوتا ھے کہ اس کی حقیر ترین جزئیات پر بھي ان کو عبور ھے ۔ ان کا طرز بیان ' اور انتخاب الفاظ اپنے اندر بہت سي گہرائیاں لئے ھوتا ھے ۔ لیکن یہاں راقم السطور کو یہ کہنے میں بھي تامل نہیں ھے کہ سید صاحب رعایت لفظي کی گمراھیوں میں اکثر اسیر نظر آتے ھیں ' یہي رعایت لفظی اکثر ان کو تمثیلیہ (Allegory) کے پھندوں میں اُلجھا دیتي ھے ۔ رعایت لفظی کا آرٹ بے حد نازک ھے ۔ اس کے یہ معنے نہیں کہ سید صاحب اس آرٹ کے لطف اور نزاکتوں سے بے بہرہ یا بے خبر ھیں ۔ اُن کي قابلیت علمي اور ذوق صحیح اس قسم کي بد گمانیوں سے کہیں ارفع ھے ۔ ممکن ھے وہ اس کو اتنا اھم نہ سمجھتے ھوں!

ھاں تو کہنا یہ تھا کہ رعایت لفظي کا آرٹ حد درجہ نازک ھے ۔ اگر پڑھنے والے کو یہ محسوس ھوگیا کہ مضمون نویس نے صرف رعایت لفظی ملحوظ رکھی ھے یا یہ معلوم ھوگیا کہ محض ایک لفظ یا فقرہ کو نباھنے کے لئے پہلے یا بعد میں بے شمار الفاظ یا فقرے لکھنے پڑے تو میرا خیال ھے اس سے ایک طرف پڑھنے والے کا ذوق سلیم مجروح ھوتا ھے اور دوسري طرف لکھنے والے کي توھین ھوتي ھے ۔ رعایت لفظي کا کمال اس کي انتہائي بے ساختگی ھے' یہ کبھي نہ معلوم ھو کہ الفاظ کا استعمال صرف

الفاظ کے لئے کیا گیا ھے - اس میں شک نہیں ابھی ھماری سوسائٹی کے افراد جو تعلیم یافتہ ' روشن خیال اور صاحب ذوق بھی کہے جاتے ھیں ' ضلع جگت یا رعایت لفظی پر سر دھلنے کے لئے آمادہ رھتے ھیں اور یہ لکھنے والے کا اچھا خاصہ انعام ھے - لیکن میرا خیال ھے اور خود سید صاحب سے زیادہ اس حقیقت سے کون باخبر ھوگا کہ ایک اچھے لکھنے والے کا مخاطب صحیح شاعر ھوتا ھے ' مشاعرہ نہیں !

سید صاحب نے مضامین میں کبھی اپنا اصلی نام نہیں ظاھر کیا اور ایسا کیا بھی تو محض شاذ و نادر ' وہ ھمیشہ "انداز قد" سے پہچانے گئے اور یہی سبب ھے کہ ان کے مضامین کی فراھمی میں غیر معمولی دقتوں کا سامنا کرنا پڑا - راقم السطور مولانا ظفرالملک علوی صاحب قبلہ کا سپاسگزار ھے کہ ان کی وساطت سے مضامین کے کچھہ اجزا ھاتھہ آگئے جن کا جستہ جستہ اقتباس ھدیۂ ناظرین ھے :-

صاحب دین :-

"..........محققین عام (چاھے وہ قدیم نظامات ارسطا طالیہ و فیثا غورثیہ سے تعلق رکھتے ھوں ' یا اسکولات ھکسلیہ و ڈارونیہ سے) اس امر پر متفق ھیں کہ صاحب دین نوعی اعتبار سے حیوان ناطق کی ایک مضمحل سی شاخ ھے.........صاحب دین نے ھوش سنبھالتے ھی ایک نظر میں تاڑ لیا کہ قدیم تہذیب و تمدن کا بوسیدہ ڈھانچ کلیۃً پھونکدینے کے قابل ھے - چنانچہ وہ اس کا قایل نہیں کہ اولاد پر والدین کے کچھہ حقوق ھوتے ھیں - اس کی نظر میں یہ محض اتفاق ھے کہ باپ باپ واقع ھوا ھے ورنہ ھوسکتا تھا کہ وہ باپ ھو -

وہ زیادہ سے زیادہ "پیارے باپ" کا مستحق ہے اور اگر زیادہ ترقی کی گنجائش ہو تو "وہ بڈھا بیوقوف" کافی ہے - بھائی ایک رقیب ہے جسکے مقابلہ میں اپنے حقوق کا تحفظ لازمی و لا بدی ہے - اصلی عزت و عظمت کی مستحق زوجہ ہے نہ کہ ماں........

جسطرح ہمارے یونانی اطبا نے آلو - انڈے - دھی اور دنیا بھر کے کھانے پینے کی چیزوں کا مزاج نکال لیا ہے اور درجہ قائم کرکے یہہ قرار دیدیا ہے کہ کون چیز کس درجہ میں گرم ہے اور کسدرجہ میں سرد - کسدرجہ تر ہے اور کسدرجہ خشک ' معلوم نہیں اسیطرح صاحب دین کو بھی اشیاء ماکول میں سمجھکر کسی طبیب نے اسکا مزاج بھی نکالا ہے یا نہیں - اگر نہیں تو اس فرو گزاشت پر افسوس کرتے ہوے فقیر اپنا اجتہاد پیش کرتا ہے کہ میرے تجربہ میں صاحب دین ایک مختلف المزاج و الکیفیت چیز ہے - تفصیل اسکی یہ ہے کہ ایک صاحب دین کا مزاج کسی دوسرے صاحب دین کے مزاج ساتھہ تو ہمیشہ گرم تر رہتا ہے مگر غیر صاحب دین کے ساتھہ سرد خشک اور فصہ اور ریل کے سفر کی حالت میں گرم خشک ہوجاتا ہے اسیطرح کسی دوسرے صاحب دین کے لئے چاہے وہ فہرست چندہ لے کر آئے یا دعوت چائے ' ایک صاحب دین ہمیشہ سریع الفہم ہے مگر غیر صاحب دین کیلئے چاہے وہ خفیف سی خفیف درخواست ہی لے کر آئے وہ نہایت بطي الفہم ہے........"

انگلستان پلٹ[1] صاحب دین کو لندن سے ناگفتہ بہ محبت ہے - اپنے

---

[1] - " انگلینڈ ریٹرنڈ " (England returned) کیلئے انگلستان پلٹ سے بہتر لفظ مجھے نہیں ملسکا اسلئے میں انجمن ترقی اُردو سے عموماً اور مولانا وحیدالدین صاحب سلیم سے خصوصاً درخواست کروں گا کہ اس لفظ کو وہ اپنے آغوش استعمال میں لے لیں - اس لفظ میں حالت مفعولی کے علاوہ حالت فاعلی کا بھی پہلو نکلتا ہے - چنانچہ سال پلٹ کے ساتھہ ہی کایا پلٹ بھی ملحوظ رہے " -

قیام لندن کے واقعات کو بیان کرتے وقت اسکی زبان سے غیر معمولی طلاقت' اسکي آنکھوں سے غیر معمولی چمک' اور اسکے چہرہ سے غیر معمولي مسرت آمیز حسرت یا حسرت آمیز مسرت برسنے لگتی ھے اور آخر کار وہ بے تاب ہوکر کہہ اٹھتا ھے "پیارے پیارے اولڈ لندن ' کسقدر میں چاھتا ھوں کہ تیري آغوش میں جان دوں" عشاق کا اپنے محبوب کے قدموں (یا ذرا گستاخي سے کام لے کر) اس کے آغوش میں جان دینا تو دیوانوں کا پامال مضمون ھے۔مگر صاحب دین کي اس تمنا میں ایک خاص نکتہ یہ ھے کہ وہ اگرچہ معاد کا قایل نہیں ھے اور اسے یقین ھے کہ ثواب و عذاب' حشر و نشر اور حیات بعدالموت مذھب کي سخن سرائي ھے لیکن آخر وہ مشرقي ھے ' بچپن کي بات کان میں پڑي دل سے مشکل سے نکلتي ھے اسلئے ڈرتا ھے کہ مبادا مشرق میں یہ باتیں سچي ھوں اور یہاں سے جانے والوں کیلئے وھاں روک ٹوک اور ڈرنطیلہ ھوتا ھو ۔ مگر لندن والوں نے راہ اور مقامات کے موانعات صاف کر لئے ھونگے وھاں کي معرفت جاتے والوں سے فرشتے تعرض نکریں گے ۔ یوں تو ھر صاحب دین کا ایک ھي مذھب ھے یعني یہ کہ مذھب قابل اعتنا نہیں لیکن عموماً دو گروہ ھیں ۔ ایک وہ جنھوں نے بچپن میں پائنجامہ پہنا ھے اور ایک وہ جنھوں نے دھوتي باندھي ھے ۔ اب دونوں گروھوں میں سے جو صاحبدین کونسل یا میونسپلٹی کا ممبر ھوجاتے تو پاجامہ اور دھوتي میں آویزش رکھنا وہ سب سے بڑي مذھبي خدمت سمجھتا ھے ۔ چنانچہ کونسل یا میونسپلٹي میں اس قسم کے سوالات صرف اُسي کی ذات سے مذھب کي اعانت کا باعث ھوتے ھیں :-

ا ۔ کیا گورنمنٹ مہرباني کر کے بتائیگي کہ فلاں محکمہ کے چپراسیوں کي تعداد اسکے ھم مذھب افراد کي مردم شماري کے تناسب سے کیوں کم ھے ؟

۲ ـ میونسپل بورڈ نے اس سال جو نابدان بنائے ہیں انمیں سے اسکے ہم مذہب افراد کے ایک محله کی نالي هے چند نیم پخته اینٹیں لگانے سے اسکي هم مذهب سکنا ء ' محله کي بڑي حق تلفی هوئي هے ـ بورڈ کو چاهئیے که وه اینٹیں نکلوا کر سرخ پخته اینٹیں لگوا دے ـ

شیخ سماءالله کي صاحبزادیاں :ـ

"یه جو پان کهائے آنکهوں میں سرمه' دانتوں میں مسّي' اور هاتهوں میں مہندی لگائے' ڈهیلا ڈهالا کرته پائجامه پہنے' هلکا دهانی ڈوپٹه اوڑهے قطب کو پیٹهه کئے تکیه لگائے بیٹهي هیں آسیه بیگم هیں جو عمر و تجربه کے اعتبار سے' چال ڈهال کے اعتبار سے' شکل صورت کے اعتبار سے' قدوقامت کے اعتبار سےسب میں بڑی هیں اور اِسی لئے سب بہنیں اِنهیں بڑي آپا کہتي هیں ـ قیافه بتا رها هے که بچپن اور جواني کے دورِن عیش و آرام اور مسرت و اطمینان سے گزرے هیں' تیسرا پن یعني بڑهاپا آیا تو آلام و افکار کو ساتهه لایا' جنهوں نے کلیجه ٹکڑے ٹکڑے کردیا ـ مگر ضبط کہتا هے" خبردار جو ایک حرف بهي زبان سے نکلا " چنانچه آفرین هے اس کوه وقار کو که چهاتي کے کواڑ بند کئے دل میں حسرتیں اور مُنهه میں گهنگنیاں بهرے بیٹهي هیں ـ مجال کیا جو دل کا ترجمان زبان کو بنائے ـ آسیه بیگم کے داهنے هاتهه پر جو سیه فام خاتون آدهی ساري باندهے آدهي اوڑهے' سر کے جهلسے اور اینٹهے هوئے بالوں میں کوڑیوں اور جهوٹے موتیوں کي لڑیاں لٹکائے' گلے میں کهربا کے دانوں کي مالائیں' هاتهوں میں عاج کي چوڑیاں اور پاؤں میں چپلیں پہنے بیٹهي هیں اور جو سب میں زیاده مفلوک الحال اور شکسته بال معلوم هوتي هیں آفري خانم هیں جنهیں آسیه بیگم تو افري افري کہتي هیں مگر باقي اور بہنیں سانولي آپا کهکر پکارتي هیں آفري خانم کے داهنے هاتهه کو جو دهاري دار سایه پہنے ٹوپ اوڑهے عینک لگائے ناک بهوں چڑهائے سب سے زیاده متین یا مغرور مگر یقیناً سب سے

زیادہ معمول الگ بیٹھی بلکہ لیٹی ہیں یہ امری خانم ہیں جنہیں آسیہ بیگم تو امری اور باقی بہنیں نئی باجی کہکر پکارتی ہیں۔ آسیہ بیگم اور افری خانم کے سامنے اور امری خانم کی طرف منہہ کئے جو نیم مشرقی نیم مغربی وضع بنائے ننگے پاؤں ساری باندھے چھوٹا کوٹ پہنے کالر لگائے ٹوپ اوڑھے بیٹھی ہیں ''یہ برعکس نہند نام زنگی ''فور'' حسینہ بیگم ہیں لیکن پانچویں جو یقیناً سب سے چھوٹی ہیں آسیہ بیگم کے داھنے ھاتھہ سے کچھ فاصلہ پر مغرب کی جانب افری خانم کے پیٹھہ پیچھے کھڑی ہوئی ہیں ......روپا بیگم ہیں ''

اسکی فرھنگ بقول سید صاحب ''برخوردار طولعمرہ'' نے یوں پیش کردی' ایشیا سب سے بڑا براعظم ہے' افریقہ ایشیا سے مغرب کی طرف ہے اسے تاریک براعظم کہتے ہیں' امریکہ سنہ ۱۴۹۲ ع میں دریافت ہوا اس لئے نئی دنیا کہلاتا ہے اوشنیا ایشیاء کے جنوب و مشرق میں واقع ہے - یورپ سب سے چھوٹا بر اعظم ہے ! ''

اروپا :- بڑی آپا سلام -

آسیہ :- جیتی رہو ٹھنڈی سہاگن' دعا دینے کو تھی کہ دودھوں نہاؤ پوتوں پھلو - مگر درخواست سے پہلے ھی منظوری کا اثر دیکھہ رھی ہوں - خود نہانا تو کوئی بات نہیں تم دودھہ سے دوسروں تک کو نہلوا رھی ہو* ماشاء اللہ وہ کثرت ہے کہ گاڑیوں میں بند ہو ہوکر ایرا غیرا کے گھر پہونچ رہا ہے - پوتوں کی یہ کیفیت (بھئی برا مت مانیو میں ہونستی نہیں اور تمہاری سگی بہن ہوکر بھانجوں کو ہونسوں تو مجھہ خالہ پر تف ہے) اپنے گھر کا

---

* ملاحظہ ہو ' ملک سوپ ' یعنی دودھہ کا صابن !

تو ذکر کیا دوسروں کے گھروں میں ایسے پھل رہے ہیں
جیسے کڑوی تومڑی -

روپا :- یہ سب آپ بزرگوں کی دعا کا اثر ہے -

آسیہ :- کہو بہن برطو ' فرسو ' سلفو' املو کہاں تک نام لوں
سب بچے بچی اچھے ہیں -

روپا :- جی ہاں سب اچھے ہیں -

آسیہ :- برطو بیچارہ تو بڑا گڈو ہے - فرسو بانکا چھیلا ہے
سلفو متافیل ہے......سنا ہے گھنا ہے ' املو کو میں نے
عرصہ سے نہیں دیکھا ہے پچھلے دفعہ جب تم لیکر آئی
تھیں تب تو بڑا شریر اور چلبلا تھا...ھونہار اور
چونچال ایسا تھا کہ دولے کو پچھاڑے -

روپا :- جی ہاں ' ابنو بڑا ھوگیا ہے' جھگڑالو بہت ہے ' بھائیوں کو
چین نہیں لینے دیتا ' آپنے برطو ' فرسو ' سلفو کو تو
ایسا ھلا لیا ہے کہ ہر وقت آپ ھی کے پاس بیٹھے
رھتے ھیں - میں بہتیرا بلواتی پکڑواتی ھوں مگر آپ
کا گھر ایسا بھایا ہے کہ ھٹنے اور ٹلنے کا نام ھی
نہیں لیتے -

آسیہ :- اے ہے ٹلنا کیسا ' آنکھوں سکھہ کلیجے ٹھنڈک ' ماں
اور خالہ میں فرق ھی کیا ھوتا ہے - سنا نہیں
"ماں مرے ماسی جئے" ہاں اتنی بات ضرور ہے
کہ تمھارے یہاں کا سا عیش مجھہ غریب کے گھر کہاں -

روپا :- آپا ! برا نہ مانو تو کہوں -

آسیہ :- شوق سے کہو بڈھوں کے اچھا برا ماننے کی پروا' جوان
نہیں کیا کرتے -

روپا :۔ آپ کے گھر میں اسقدر غربت نہیں جسقدر بدتمیزي ' پھوھڑپن اور گھلڑن پن ھے ۔ کسیکو کھانے کا سلیقہ نہیں ' پہلنے کي تمیز نہیں ' انتظام کي عقل نہیں '

آسیہ :۔ (آہ سرد بھر کر) ھاں بہن سچ کہا ' خدا کي شان ' کبھي ھم ھي آس پڑوس میں تمیز والے سمجھے جاتے تھے ' سینا پرونا ھم جانتے تھے ' کھانا ' کھانا پکانا ھم جانتے تھے ' آج پھوھڑ ھم ' بد تمیز ھم ' گلدے ھم ' گھلولے ھم ' مگر اسکي وجہ جانتي ھو ' آیا پیسہ آئي مت ' گیا پیسہ گئي مت ۔ گانٹھہ میں دام تو سب کریں سلام "

موجودہ دور میں مولانا عبدالماجد صاحب دریا بادي ' مولانا ابوالکلام آزاد ' مولانا ظفر علي خاں اور قاضي عبدالغفار ' طنزیات میں ید طولیٰ رکھتے ھیں ہر ایک کا نشانہ طنز ' انگریز ' انگریزي حکومت اور انگریزیت ھے ۔ علحدہ علحدہ ان کے کلام اور مضامین پر اظہار خیال کرنا طوالت کا باعث ھوگا ۔ راقم السطور کا خیال ھے کہ ان کے تمامتر مضامین یا مسالک کا خلاصہ یہ ھے -

مولانا عبدالماجد کي طنز میں تلخي اور زھرناکي کا عنصر غالب ھے اور ان سب پر بقول سید سلیمان ندوي صاحب " مولویت " طاري ھے - ان کي طنزیات پوپ کي طنزیات کا نمونہ ھیں - یہ اُردو کے لینڈلیلڈ بھي قرار دئے جاسکتے ھیں جن کو جماعت کے موجودہ اور مقررہ نظام میں عافیت اور جمعیت کا کوئي شائبہ نظر نہیں آتا ۔ برخلاف اس کے ظفر علي خاں ھیں جن کے ھاں شدت ھے ' لیکن زھرناکي کا گزر نہیں - ظفر علي خاں کي طنز میں عملاً قوت اور بیداري پائي جاتي ھے - ان کي تحریروں سے پتہ چلتا ھے کہ وہ اپني طنز کو منوا بھي سکتے ھیں - ان کے یہاں

بد دعائیں یا عذاب الیم کي "بشارتیں" نہیں ملیں گی - وہ "تپش" کے قائل ہیں "تپشیا" کے نہیں' یہي کیفیت ابوالکلام کي ہے - لیکن ظفر علي خاں اور ابوالکلام جہاں ایک دوسرے سے علحدہ ہوجاتے ہیں وہ بھي نمایاں ہے - ابوالکلام کي مثال اس پہلوان کي ہے جو وسط میدان جنگ میں "مبارز طلب" ہو اور دوسروں کا نہیں بلکہ اپنے رجز سے خود اپنا دل بڑھا رہا ہو - ظفر علي خاں صرف "آرڈننس شکني" پر آمادہ نظر آتے ہیں - ان کي رجز میں تھوڑا سا حسن طلب بھي ہوتا ہے اور یہ طلب ممکن ہے کبھي اپنے ہي اعوان و انصار سے ہو پھر غیر موجود یا غیبي طاقتوں سے - وہ دوسروں کو آمادہ کرتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں' اپني آمادگي سے بحث نہیں - تیسري طرف قاضي عبدالغفار ہیں - ان کی طنز ایک حد تک "ڈرائنگ روم" کی طنز ہے - نہایت نازک ' نہایت ستھري ' نہایت حسین ' تیز چمکتي ہوئی ' جیسے کسي ماہر فن کے ہاتھہ میں عمل جراحی کے لئے ایک نشتر ہو ! ان کي طنز ایک طور پر کتابي طنز ہے' پڑھئے اور انشا پرداز کو داد دے لیجئے-نہ ڈرنے کي ضرورت ہے اور نہ کسي آمادگی کي حاجت !

ان تمام خیالات کو اور مختصر کیا جاسکتا ہے مثلاً مولانا ماجد' اصلاح سے مایوس ' ابوالکلام اصلاح سے بے نیاز' ظفر علي خاں آمادۂ اصلاح ' قاضی عبدالغفار ان سب کے حد اوسط ! !

مولانا عبدالماجد صاحب بي ' اے ' دریابادي

ماخوذ از "سفر حجاز"

"بمبئي ہندوستان کا شاید سب سے بڑا "یاجوجي" شہر ہے' لندن اور پیرس' نیویارک اور شکاگو کی زیارت سے جو لوگ مشرف نہیں ہوے ہیں وہ اُنکا ایک ہلکا سا نمونہ بمبئي میں دیکھہ سکتے ہیں -

ویسی هی هر طرف آسمان سے باتیں کرنیوالی اونچی اونچی عمارتیں ' وهی روپیه کی گرم بازاری' وهی دوکانداری میں انهماک' وهی عیش کی فراوانی' وهی چستی او نفس پرستی' وهی برق و دخان کی پرستاری' وهی ملوں انجنوں اور کارخانوں کا زور' وهی ریل تریم اور موٹر کاروں کا شور' وهی صبح سے لیکر رات تک اور شام سے لیکر صبح تک چیختے اور چلاتے هوے شور مچاتے اور دهواں اُڑاتے' دهکیلتے اور کچلتے هوے یاجوج کی بے چینی اور بے قراری' بهاگ دوڑ' شور وغل' چیخ پکار' شورش و اضطراب' دن کو چین نه رات کو سکون' اور اسی کا نام اس دور یاجوجی میں "ترقی" و "تهذیب" هے - حیرت صرف اسپر هے که اس غلبه یاجوجیت کے باوجود اب تک یہاں کی مسجدیں کیونکر اسقدر آباد و پر رونق هیں اور اتنے نمازی اور دیندار مسلمان یہاں کیسے نظر آتے هیں "

"... . آج یه مهیب اور لق و دق سمندر' اور کرۂ ارض کے سارے معلوم سمندر' یا جوج کے قبضه میں هیں وهجسےچاهے اسمیں جہاز اور کشتی چلانے کی اجازت دے اور جب جسکو چاهے الله کی کاریگری کے اس نادر نمونه سے فائدہ اُٹهانے سے روک دے ! خلق خدا کی هو تو هو لیکن سمندر اور سمندروں کے بندرگاه ' جہاز اور اُنکے پهریرے ' محکمه بحری اور خداوندان بحر ' تارپیڈو اور ڈرڈنات ' کروزر اور ڈسٹرائر ' آج هانکے پکارے کهه رهے هیں که امر ' اور ' حکم ' (نعوذبالله) یاجوج کا هے - پهر اگر ایسی حالت میں آپ کسی سچے کا قول سنتے هیں که " یاجوج و ماجوج سمندر کا پانی پی جائینگے " تو آپ اس پیشینگوئی کے پوری هونے کے لئے کسی زمانه مستقبل کا کیوں انتظار کرنے لگتے هیں "—

"...... ایک روز یه سارا بحراعظم یا سارا لق و دق سمندر موجیں مارتے هوئے پانی کے بجائے آگ کے لپکتے هوئے شعلوں اور

دھوئیں کے تیرہ و تار بادلوں میں تبدیل ہو کر رہے گا - یہ دن وہ ہوگا جب یاجوج اپنے مایہ ناز جنگی جہازوں اور آبدوز کشتیوں ، اپنے تیل کے چشموں اور اپنے پٹرول کی بھڑکائی ہوئی آگ کے شعلوں سے ، لنکا کے راون کی طرح خود ہی جل رہا ہوگا - اور جب اسکی حرص و ہوس اسکی ملک گیری اور زرپرستی، قیصریت (امپریل ازم) اور کپٹل لزم (سرمایہ داری) کے انگارے سمندر میں آگ لگا لگا کر خود اسی مادی دنیا میں اسے دوزخ کا نمونہ دکھا رہے ہونگے ! یہ وہ دن ہوگا جب ارشاد ربانی و اذالبحار سجرت کی تفسیر و تاویل کے لئے نہ تفسیر کے اوراق الٹنے کی ضرورت ہوگی نے اہل لغت کے کلام سے سند لانے کی بلکہ عالم و عامی سب اپنے آنکھوں سے مجاز کا نہیں حقیقت کا مشاہدہ کرلینگے - آج یاجوج کو مہلت ہے آج وہ جتنا بھی چاہے ہمارے دلوں اوو دماغوں کو ہماری عقلوں اور ذہنوں کو، ہماری آنکھوں اور کانوں کو اپنے اقبال و حشم سے اپنی تہذیب اور تعلیم سے ، اپنے علوم اور اپنے فنون سے ، اپنے ڈاکٹروں اور اپنے انجینروں سے ، اپنی سائنس اور اپنے آرٹ سے اپنی توپوں اور اپنی رائفلوں سے ، اپنی مشین گن اور اپنی سنگینوں سے ، اپنے خزانوں اور اپنے طیاروں سے مرعوب اور مخبوط اور مفلوج کرلے لیکن یہ ملہت سدا رہنے والی نہیں اور کسے خبر کہ پردہ اٹھنے کا وقت قریب ہی آن لگا ہو "

"......دعا کے الفاظ بہتوں نے دہرائے ہونگے - خدا معلوم کسی کے دل سے ان قوموں کی بھی تباہی و بربادی کی دعائیں نکلیں جو آج چودھویں صدی ہجری میں کعبہ اور رب کعبہ کی

عداوت میں اُس پرانی اور برباد شدہ قوم سے کہیں بڑھی ہوئی ہیں ' جنکی جلدیں سفید ہیں مگر جن کے دل عداوت حرم میں حبشہ اس قوم کے چہروں سے کہیں زیادہ ہو چکے ہیں اور جن کو ابرھہ کے ہاتھیوں سے کہیں بڑھ چڑھ کر آج اپنے توپ خانوں ہوائی جہازوں اور مسلح موٹرکاروں پر دعوی اور غرہ ہے ؟"

مولانا ابوالکلام آزاد کے یہاں خطیبانہ جوش و ہیجان ہے اس باب خاص میں اُن کا مسلک جوونل سے ملتا جلتا ہے - اُنھوں نے طنزیات میں خطابت کا نہایت شاندار ' پرزور اور حیات‌آفرین نمونہ پیش کیا ہے - اُن کی تحریر فن انشا و ادب میں ڈرامہ کی حیثیت رکھتی ہے ' ہر لفظ ' فقرہ یا خیال ایکٹر معلوم ہوتا ہے جس میں قوت بھی ہے اور حرکت بھی ' نمونہ حسب ذیل ہے -

" بے شک مدتوں کے بعد بلند ٹوٹے جس کو کفر کہا تھا اُس کے ثواب و طاعت ہونے کا فتوی دینا پڑا - لیکن کیونکر اپنی قوت سے ' اپنے دماغ سے ' اپنی ہستی اور اپنی روح سے ' یہ نہیں بلکہ ' ع -

ایں ہم بسعی غمزۂ مردم شکار دوست !

پہلے جن کے حکم سے گمنامی کے غاروں میں چھپے تھے اب اُنھیں کے حکم سے باہر نکلے تاکہ مندر میں جاکر اُن کے آگے سر بسجود ہوں - بے شک شملہ ڈیپوٹیشن کے تماشہ کے بعد اُس کا آخری پارٹ کھیلا گیا اور اُس کا نام لیگ رکھا گیا - لیکن اگر تم ایک برف‌خانہ بناکر اُس کا نام آتشکدہ رکھدوگے تو کیا برف کی سل آگ کا انگارہ ہو جائے گی.........پالٹیکس ایک

آگ ہے جو خود بھڑکتی ہے اور پھر بھڑکائی جاتی ہے، وہ برف کا گلاس نہیں ہے جو کسی سرد مہر ساقی کی بخشش پر موقوف ہو..........ہندو مسلمان کا سوال بھی ایک بازیگر کا کھیل ہے اور بدبختی سے ناچنے والے ناچ رہے ہیں، فوج میں پھوٹ پڑ گئی ہے اور غنیم مطمئن ہے - یہ خیال کہ تم نے ابھی تعلیم میں نہیں ترقی کی ہے اِس لئے تمھاری پالٹیکس یہی ہے کہ پہلے ہندؤں سے اپنے غصب کردہ حقوق چھین لو، غور کرو حریف شاطر کی کس قیامت کی چال تھی -

وہ رھزن اور پھر ایسے کمین سے "!

" سب سے پہلے یہ ھوا کہ ملک میں کام کرنیوالی اصلی جماعت یعنے ھندوؤں سے مسلمان علحدہ ھوگئے اور اس طرح عرصہ تک کے لئے ملکی مطالبات کی فتحیابی سے گورنمنٹ مطمئن ھوگئی ساتھہ ھی اسکے یہ بھی ضرورت تھی کہ ان کو بےکار نہیں رھنا چاھیے ورنہ بے کاری سے اُکتاکر راستہ کی تلاش میں ضرور نکلیں گے - کوئی مشغلہ ایسا ھونا چاھیے - جو عرصہ تک انکو اپنے میں الجھائے رکھے اور اصلی کاموں کی طرف متوجہ ھونے کی فرصت نہ دے - تعلیم کو مسلمان پہلے سے تجے بیٹھے تھے (اور یہ خیال فی‌نفسہ غلط نہ تھا) اسلئے اسی اعلی تعلیم کے بال و پر کو پھیلا کر ایک ایسا الف لیلہ کا عجیب‌الخلقت پرند بنا دیا جو اپنے پروں کو کھولدے تو سورج کو زمین کی طرف جھانکنے کے لئے کوئی سوراخ نہ ملے - مسلمانوں نے اس عجیب و غریب مرکب کو براق سمجھا اور یقین کرلیا کہ ھمارے سفر معراج کیلئے آسمانی سواری اتری ہے - چالیس برس گذر گئے اب تک اس مرکب کی لگام ویسی ھی ڈھیلی ہے جیسے پہلے دن تھی اور منزل لامکانی

کا پتہ نہیں - قوم کی وہ قوتیں جو یقیناً زمانہ کے قدرتی اثرات سے متاثر ہوکر ملکی تحریکوں میں صرف ہوتیں تمامتر صرف ایک اعلیٰ تعلیم کے شور و واویلا کے پیچھے متادیگئیں اور جبکہ ہم سے ایک دیوار کے فاصلے پر ملک کی جائز آزادی ' ملکی حقوق کے مطالبات ' اعلیٰ قوانین کی ترمیم و تنسیخ ملکی نظم و نسق کے مباحث اور افکار کی سرگرمیوں میں ہمسایوں کے جذبات و امیال صرف ہو رہے تھے ' ہم اپنی کانفرنسوں ' اپنے بڑے بڑے مجمعوں ' اپنی شاندار تقریروں ' اپنے قومی اخباروں کے صفحوں کے اندر صرف ایک افسانہ تعلیم کی سرد لاش اٹھائے پھرتے تھے '' -

---

'' لیکن خون بہانے کی ایسی شیطانی قوتیں ' آگ برسانے کے ایسے جہنمی آلے اور موت و ہلاکت پھیلانے کی ایسی اشد شدید ابلیسیت تو کسیکو بھی نصیب نہیں ہوئی - زمین کی پشت پر ہمیشہ درندوں نے بہت بلائے اور اژدہوں نے پھنکاریں ماریں ' مگر نہ تو ایسی درندگی ابھی تک کسی میں تھی جیسی موجودہ متمدن اقوام کی قوتوں کو حاصل ہے اور نہ اب تک ایسا سانپ اور اژدہا پیدا ہوا جیسے کہ ان لڑنے والوں میں سے ہر فریق کے پاس ڈسنے ' نگلنے ' اور چیرنے پھاڑنے کیلئے عجیب عجیب ہتھیار جمع ہیں - پھر اس اژدہے کو دیکھو جو جنوب سے منھہ کھولے بڑہ رہا ہے ' اس ہاتھی کو دیکھو جو مشرقی یورپ کے بہت سے چنگھاڑتا ہوا اٹھا ہے ' اور اس خوفناک چیتے کو دیکھو جو لامارک اور روسو کی سر زمین میں خون اور گوشت کیلئے پلا ہے یہ کیسے عجیب ہیں ! یہ کیسے خوفناک آلات سے ملسح ہیں ؟ ان سب کا باہم ایک دوسرے پر گرنا اور چیرنا پھاڑنا کرہ ارضی

کا کیسا ھولناک بھونچال ھوگا ' ایسا بھونچال جو کبھی نہیں آیا ' ایسا طوفان جو کبھی نہیں اٹھا - ایسی آتش فشانی جو کبھی نہ ھوئی - اور خداوند کا ایسا قصہ جو اب تک کبھی زمین پر نہ ھوا......پس ضرور تھا کہ غرور و طغیان کی کوئی حد ھوگئی ' عجب نہیں کہ مہلت ختم ھوگئی ھو اور کچھہ اچنبھا نہیں اگر ارض الٰہی کے امن کے لئے ' بندگان خدا کی راحت کے لئے اور کمزوروں کو سکھہ کی نیند سلانے کے لئے انکا خون انھیں کے ھاتھوں بہایا جائے جنھوں نے دوسروں کا خون اپنے ھاتھوں بہایا اور اسطرح عدالت الٰہی ان قوتوں کا حساب لے جو صدیوں سے تمام دنیا کے اعمال کا حساب لے رھے ھیں....... پس یہ ھے اُس مقدس تعلیم کا آخری ظہور جو دنیا کے سامنے ھے اور یہ ھے وہ پاک امانت جو " شہزادۂ امن " نے اپنی نسل کو دی تاکہ وہ آسمانی بیتے کے باپ کہلائیں "

مولانا ظفر علیخاں لاھور -

" ......انصاف اور رحم کے جذبات نے اگر جہاں کشا اقوام میں سے ایک آدہ کے سینہ میں پرورش پائی ھو تو یہ فسانہ عہد قدیم کی ایک دل آویز فصل ھے جو صرف آرائش سخن کا کام دے سکتی ھے ورنہ آج انصاف کہاں اور رحم کیسا ؟ یہ دونوں الفاظ تو تہذیب جدید کی لغات میں سرے سے مفقود ھیں یا اگر ھیں تو شرمندہ معنی نہیں - آج دنیا کا نظام حکومت جن اخلاقی قوتوں کی بنیاد پر قائم ھے وہ غرق آھن جہاز ھیں اژدردم توپیں ھیں ' فلک پرواز طیارے ھیں - قطار اندر قطار عسکریوں کی جگر گزار سنگینیں ھیں - صف

اندر صف پولس کي جمعیتہ فرسا لاتھیاں ھیں جن سے جابرانہ قوانین کي ھیبت زیردستوں کے قلوب میں بٹھائي جاتي ھے........

ملوکیت کا یہ عفریت لعین جسلے عسکریت کي گود میں پرورش پائي ھے آج ربع مسکوں پر چھایا ھوا ھے اور ناتوانوں کے جسم کي بوتیاں نوچ نوچ کھا رھا ھے' مغرب اس خونخوار دیو کا زاد بوم تھا - کاش یہ اپنے ھی وطن میں رھتا مگر اسلے ایشیا کو بھي اپنا گھر بنالیا اور اس وقت مشرق اقصی اسکي جھنمی سرگرمیوں کا مرکز بنا ھوا ھے - ۱۸ ستمبر سنہ ۱۹۳۱ع کي خونچکاں تاریخ چین کے چالیس کروڑ باشندوں کو مدتوں نہ بھولیگی اس لئے کہ اس دن ان کي فوجي کمزوریوں سے فائدہ اتھا کر جاپان کے عسکریت پرستوں نے جن کی نخوت کا سر روس کو نیچا دکھانے کے وقت سے آسمان تک اونچا ھوگیا ھے کسي قسم کا التي میٹم دئے بغیر' کوئي معقول حجت پیش کئے بغیر دفعۃً ایک ھی بے جگرانہ تاخت میں..........اور تمام دوسرے اھم جنگي نقاط پر قبضہ کر لیا اور اس بدعہدانہ یلغار میں قتل و غارت کے ایسے ایسے آدمیت سوز نظارے دنیا کو دکھائے جو زمانۂ قدیم میں یا تو چنگیز اور ھلاکو نے دکھائے تھے یا حال میں یورپ کے سورماؤں نے دکھائے ھیں" -

---

"........زیرسایہ ھمایایہ برطانیہ ھندوستاني ریاستوں کي اندروني آزادي کي کیسي دلکش تصویر ھے! والیانِ ریاست ھائے ھند کے ناموس فرمانروائي کي حفاظت کیسا شاندار ادعا ھے - مگر یہ ساري دلخوش کن باتیں کچھہ حقیقت بھي رکھتی ھیں یا چند الفاظ کا محض ایک نظرفریب مجموعہ ھے جس سے لندن کا

ھزارشیوہ‌مداری والیانِ ریاست ھائےھند کو نظربند کرنا چاھتا ھے !!

ھندوستان میں سب سے بڑی ریاست حیدرآباد دکن ھے جو رقبہ میں فرانس کے برابر ھے - جسمیں خدا کی ایک کروڑ چالیس لاکھہ مخلوق بستی ھے جسنے عہد ماضی میں برطانوی ملوکیت کے قصر فلک بوس کی بنیادیں اپنے خون کے گارے سے ھندوستان میں استوار کیں.........مگر دکن کا ایک پتہ بھی وائسرائے ھند کے حیدرآبادی گماشتہ یعنی رزیڈنٹ کی مرضی بغیر ھل نہیں سکتا دکن کا فرماں‌روا اصف جاہ ھفتم نہیں بلکہ اس وسیع و عریض مملکت کے سیاہ و سفید کے مالک جناب حیدری ھیں یعنی جناب ترنچ ھیں یعنی جناب رزیڈینٹ ھیں یعنی جناب لارڈ ولنگڈن ھیں یعنی خود بدولت و اقبال جناب ریمزے مکڈانلڈ ھیں...........اب جنوب سے شمال کی طرف آئے - کشمیر کی ریاست رقبہ میں یورپ کی چھوٹی چھوٹی مملکتوں کو شرماتی ھے جسکی آبادی بلغاریہ کی آبادی کے برابر ھے جسنے انگریزوں کی ملوکیت کے آستانہ پر ھمیشہ سجدہ کیا جسنے اپنی حلیفانہ فرائض کی انجام وھی میں ھر طرح کی مالی اور جانی قربانیاں آئے دن پیش کیں..............کشمیر کا فرماں روا آج مہاراجہ ھری سنگھہ نہیں بلکہ جناب راجہ ھری کشن کول ھیں یعنی جناب گلسنی ھیں یعنی جناب کشمیر ھیں یعنی جناب لارڈ ولنگڈن ھیں یعنی خود جناب ریمزے میکڈانلڈ ھیں -

برطانیہ کے ارباب حل و عقد ھندوستان کے دیدۂ فراست میں لنڈن کے چوراھے کی خاک کی مٹھیاں بھر بھر کر جھونکنے

کے بتجائیے اگر سچی بات خواہ وہ کیسی ہی کڑوی کیوں نہ ہو کہدیا کریں تو ہمیں کوئی شکوہ نہ ہو غصہ اگر آتا ہے تو اس بات پر کہ زہر دیتے ہیں مگر کہتے ہیں کہ اسے شہد سمجھو ' غلامی کے طوق گلے میں ڈالتے ہیں مگر اصرار کرتے ہیں کہ اسے آزادی کا گجرا تصور کرو -

کاش حکومت انگریزی کو اپنے قول اور فعل میں تطابق پیدا کرنے کا خیال بھی کبھی آجائے کاش اس کا باطن بھی وہی ہو جو کبھی کبھی اسکا ظاہر ہو جایا کرتا ہے "

" ہنوز دھلی دور است " راز ظاہر علی خاں) -

کشمیر ہے کہیں تو کہیں کانپور ہے
پیدا ہر ایک گوشہ سے یوم نشور ہے
ہے تار تار پیرہن امن و عافیت
زخموں سے جسم بیگُلوی چور چور ہے
زینت ہے اس زمانہ میں نسیاں کے طاق کی
وہ مسلک قدیم جو خیرالامور ہے
ہے شیخ کا دماغ توازن سے بے نیاز
اور برہمن کی عقل کے اندر فتور ہے
لکھی ہوئی ہیں سر پہ غلامی کی لعنتیں
ہے 'ست بچن' کہیں تو کہیں 'بنی حضور' ہے
آپس کی پھوٹ ڈر کے رہیگی ہمیں تباہ
سمجھیں یہ نکتہ ! کب ہمیں اتنا شعور ہے
لندن کی گول میز کو یاروں نے جا لیا
لیکن یہ قافلہ ابھی دھلی سے دور ہے

اسوقت تک اگر نہیں آزاد ہو سکا
ہندوستان خود یہ تیراھي قصور ہے

فریاد جرس '' :—

کل کہہ رہے تھے ایک محب وطن بزرگ
ہندوستان رہنے کے قابل نہیں رہا
انساں سے چھین لي گئي آزادئی ضمیر
لیلی کے ناقہ کے لئے محمل نہیں رہا
تھا دشنہ حق کا تیز بھي خونریز بھي مگر
کچھہ دن سے در خورِ رگ باطل نہیں رہا
لندن کی عافیت کبھی جس سے ہوئي تھي تنگ
زنداں میں اب وہ شور سلاسل نہیں رہا
سچ اور جھوٹ میں نہیں باقي رہی تمیز
اور امتیاز ناقص و کامل نہیں رہا
میں نے دیا جواب کہ ہیں یہ گلے فضول
جب سب ہیں عالم اور کوئي عامل نہیں رہا
ہم آپ اپني راہ کے سنگ گراں بنے
رہرو کو فکر دوری منزل نہیں رہا
جو کوشش آشتی کي ہوئي رائگاں گئي
اور کوئي اتحاد کا قائل نہیں رہا
پھر کس لئے یہ شکوہ کہ لطف خدائے پاک
ہندوستان کے حال کو شامل نہیں رہا

لیکن یہاں اس امر کا اظہار ضروري ہے کہ اس قسم کي نظموں کي بہترین مثال علامہ شبلي مرحوم کے ہاں ملتي ہے - میرا ذاتي خیال ہے کہ لطیف طنزیہ نظمیں لکھنے کا سہرا

علامہ مرحوم کے سر ہے بایںہمہ یہ کہنے میں بھی تامل نہیں ہے کہ جہاں تک اس صنف کلام کا تعلق ہے مولانا ظفر علي خاں ' علامہ شبلي کے تنہا اور بہترین متبع ہیں !

علامہ شبلی مرحوم کي بعض نظمیں ہدیہ ناظرین ہیں -

'' سوت ایبل ' سلف گورنمنٹ :—

دیکھا جو لیگ نے کہ ہوا خاتمہ تمام
از بسکہ دست حق طلبی اب دراز ہے
کہنے لگے ہیں سب کہ سیاست کا یہ نظام
مقبول خاص و عام نہیں خانہ ساز ہے
تقسیم مشرقي نے عیاں کردیا ہے سب
جو شاہراہ حق میں نشیب و فراز ہے
مجبور ہو کے لیگ نے الٹا ہے یہ ورق
جو سر بسر مرقع نیرنگ ساز ہے
چہرہ پہ ہے جو سلف گورنمنٹ کا نقاب
ہر دیدہ ور اسیر طلسم مجاز ہے
سمجھے نہ یہ کہ سوٹ ابل کی جو شرط ہے
تمہید سجدہ ہائے جبین نیاز ہے
سمجھے نہ لوگ یہ کہ یہی لفظ پُر فریب
اس ملک میں طلسم غلامی کا راز ہے
سب یہ سمجھ رہے ہیں نہ اب لیگ و کانگرس
دونوں کا ایک عرصہ کہہ نرک و ناز ہے
جب تک کہ لوگ حلقہ بگوش خواص ہیں
جب تک زبان قوم خوشامد طراز ہے

جب تک هیں لوگ عالم بالا سے مستفیض
جب تک بہم یہ دور " قدم هائے راز " هے
احرار سے کہو کہ نہیں کچھہ امید صلح
مٹتا نہیں جو تفرقہ اور امتیاز هے
آزادي خیال پہ تمکو هے گر غرور
تو لیگ کو بھي شان غلامی پہ ناز هے

مسلم لیگ :—

لیگ کو جب نظر آیا کہ چلی هاتھہ سے قوم
اک نیا روپ بھرا اس نے باانداز دگر
منظر عام پہ لوگوں سے کیا اسطے خطاب
کہ نہیں سلف گورنمنٹ سے اب همکو مفر
اک ذراسي مگر اس لفظ میں تخصیص بھی هے
جس سے هیں متفق‌اللفظ سب ارباب نظر
یعني وہ سلف گورنمنٹ کہ هو سوٹ ایبل
یا کہ موزوں و مناسب هو باالفاظ دگر
جب کبھي کوئی بھی تحریک سیاسی هوگي
آپ اسي قید مناسب کو بنائیں گے سپر
اب بھي هیں جادۂ مقصد کے وهي نقش قدم
اب بھي اوراق سیاست کا وهي هے مسطر
یہ وهي لفظ هے مجموعۂ صد گونہ فریب
یہ وهي لفظ هے سرمایہ صد گونہ ضرر
آپ هر بار جو بڑہ بڑہ کے پلٹ آتے هیں
هے اسي شیوہ تعلیم غلامی کا اثر

ہے حقیقت میں اسی متن غلامی کی یہ شرح
ہے حقیقت میں اسی نخل سیاست کا ثمر
جب کہیں بھی کوئی پہلوے غلامی ہوگا
ہر طرف پھر کے اسی نقطہ پہ ٹھہریگی نظر
اسقدر سرد مزاج اور پھر اسپر تبرید
خوف یہ ہے کہ پہونچ جائے نہ فالج کا اثر

لیگ کی عظمت و جبروت سے اِنکار نہیں
ملک میں غلغلہ ہے شور ہے کہرام بھی ہے
کون ہے جو نہیں اس حلقۂ قومی کا اسیر
اسمیں زہاد بھی ہیں رند مےآشام بھی ہے
فیض اس کا ہے بہ‌اندازۂ طالب یعنی
بادۂ صاف بھی ہے دُرد تہ جام بھی ہے
کعبۂ قوم جو کہتے ہیں بجا کہتے ہیں
مرجعِ خاص بھی ہے قبلہ گہِ عام بھی ہے
پسختہ کاروں کے لئے آلۂ تسخیر ہے یہ
نو جوانوں کو صلائے طمعِ خام بھی ہے
رہنمایان نو آموز کا ہے مکتب درس
زینۂ فخر و نمائش گرئی عام بھی ہے
جن مہمّات میں درکار ہے ایثار نفوس
ان میں طرز عملِ بوسۂ و پیغام بھی ہے
مختصر اس کے فضائل کوئی پوچھے تو یہ ہیں
محسنِ قوم بھی ہے خادم حکّامِ بھی ہے

ربط ھے اس کو گورنمنٹ سے بھي ملک سے بھي
جس طرح ' صرف ' میں ایک قاعدہ ادغام بھي ھے
اس کے آفس میں بھي ھر طرح کا سامان ھے درست
ورقِ سادہ بھي ھے کلک خوش اندام بھي ھے
چند بی اے ھیں سند یافتۂ علم و عمل
کچھہ اسسٹنٹ ھیں کچھہ حلقہ خدّام بھي ھے
ھو جو تعطیل میں تفریحِ سیاست مقصود
سفر درجۂ اول کے لئے دام بھي ھے
یہ تو سب کچھہ ھے' مگر ایک گذارش ھے حضور
گر چہ یہ سوء ادب بھي ھے اور ابرام بھي ھے
مجھہ سے آھستہ مرے کان میں ارشاد ھو یہ
سال بھر حضرت والا کو کوئي کام بھی ھے !

مسلم یونیورسٹي :—

الحاق کی جو شرط نہ مانی جناب نے
کیا جانے کیا حضور کے دل میں خیال ھے
ھم تو ازل سے حلقہ بگوش نیاز ھیں
یہ سر ھمیشہ زیر قدم پائمال ھے
ھم نے تو وہ ثنا و صفت کي حضور کي
جو خاص شیوۂ صفت ذوالجلال ھے
آیا کبھي نہ حرفِ تمنا زبان پر
یانتک تو ھم کو پاس ادب کا خیال ھے
اُردو کے باب میں جو ذرا کھل گئی زبان
اب تک جبیں پر عرق انفعال ھے

دامن غبار حق طلبی سے رہا ہے پاک
یہ فیض خاص رہبر دیرینہ سال ہے
آیا جو حرّیت کا کبھی دل میں وہم بھی
سمجھا دیا کہ جوش جنوں کا وبال ہے
اب تک اسی طریق پہ ہیں بندگان خاص
گو صحبت عوام میں کچھ قیل و قال ہے
گردن جھکی ہوئی ہے زباں گو ہے شکوہ سنج
باطن ہے انقیاد جو ظاہر ملال ہے
الحاق سے کچھ اور نہ تھا مدعائے خاص
بس اک عموم درس وفا کا خیال ہے
یعنی یہ بھول کر نہ زمانہ کو پھیر لے
اب تک جو منحصر یہ علی گڑھ کا جال ہے
پھر بھی حضور کی نہ گئیں سرگرانیاں
پھر بھی گناہگار مرا بال بال ہے
اتنی سی آرزو بھی پذیرا نہ ہو سکی
اب کیا کہیں گے اور بھی کچھ عرض حال ہے
سنتے رہے وہ غور سے یہ داستان غم
جب ختم ہو گئی تو یہ لب پر مقال ہے
حد سے اگر بڑھے گا تو ہو جائے گا ستم
وہ درسگاہ روئے وفا کا جو خال ہے

قاضی عبدالغفار صاحب مرادآباد :—
(ماخوذ از نقش فرنگ) -
" ....جب تخیل کی پستی کا یہ عالم ہو اور نظر

اسقدر محدود ہو کہ پی اینڈ او کمپنی کے پانی پر تیرنے والے عشرت محل میں چند روز سفر کرنا اور چند روز انگلستان اور پیرس کی تہذیب و تمدن کی مینا کاریوں سے متمتع ہونا بھی ایک مجاہدہ قرار پائے تو جان لیجئے کہ اُس قوم کا مرض پرانا ہے اور اب علاج محض گرمئی سخن سے نہ ہوگا - کچھ آج نہیں میرے دل میں یہ خیال اکثر آیا ہے کہ آخر یہ تماشے کب ختم ہونگے - تماشاگاہ میں ہر شب کو تاج الملوک بکاؤلی کے سرہانے پہنچ جاتا ہے لیکن صبح کو جب تماشہ ختم ہوا تو اُس تاج الملوک نے بھی رات کے رنگ روغن کو گرم پانی سے دھو ڈالا اور بکاؤلی کے نرگس شہلا کا بھی سرمہ بہہ گیا ! اس بدنصیب براعظم کے تماشاگاہ میں شب و روز یہ تماشے ہو رہے ہیں ، لمبی تانیں ، بلند آوازیں ، بہت سے خوبصورت ہار اور گلدستے ، پھولوں سے لدی ہوئی گاڑیاں اور جلوس - قوم کی بیداری کی روشن دلیلیں یہ ہیں ! خدمت و مخدومیت کا تخیل وہ تاج الملوک ہے جس نے بکاؤلی کو محض خواب میں دیکھ لیا ہو اور ایک کاغذ کا پھول بنا کر دکھاتا پھرے کہ یہی میرا گُلِ مراد ہے ! ''

'' ....بہت سے دولتمند عرب بھی دیکھے جو اپنی موٹروں میں اُڑے پھر رہے تھے - کیا یہ بھی عہد نبوت کے ان شتر بانوں کی نسل ہے جو ناقۂ رسالت کی ڈوری پکڑ کر چلتے تھے ؟ کیا وہ بھی طارق کی چھوٹی کشتیوں میں سوار ہونے والوں کے اخلاق ہیں جو جہاز کے سامنے پانی میں غوطہ لگا رہے تھے کہ شاید کوئی مسافر ایک پیسہ پھینکدے !

معلوم نہیں عدن کی پہاڑیوں کے دامن میں پانی کے حوض کسلئے بنائے تھے جنکو آثار تاریخی کا جویاں سیاح دیکھنے جاتا ہے - کوئی کہتا ہے کہ یہ حوض ایرانیوں کے بنائے ہوئے ہیں - کوئی کہتا ہے کہ عربوں کے کسی پرانے قبیلے نے صدیوں پہلے ان حوضوں کو تیار کیا تھا -

........آج یہ حوض خشک پڑے ہیں پہاڑ بھی خشک ہیں اور انکے چشمے بھی بےآب ہیں - لاریب کہ عدن کے تمام چشمے خشک ہیں - پانی کے چشموں کا کیا ذکر عرب کی انسانیت کے چشمے بھی خشک ہیں اور جہاں کچھ پانی ہے تو اسکو بھی گندی مچھلیوں نے گندہ کر دیا ہے '' -

---

'' ....بہت سے جہاز اس سمندر میں گذرتے ہیں - ان جہازوں پر ہزاروں مسلمان خلاصی اور سیکڑوں مسلمان مسافر بھی گذرتے ہونگے لیکن کتنے ایسے ہیں جن کو یہ خبر ہے کہ اس سمندر کے پانی میں فدائیاں اسلام کا کستدر خون ملا ہوا ہے - رونے کو نہیں کہتا - رونے کا قائل نہیں - مگر یہ ایک درس عبرت ہے ! یہاں مدرسوں میں نپولین کرامول اور نلسن کے سوا ہے کیا - انہیں کیا معلوم کہ بحر اوقیانوس میں بھی کبھی اونٹ والے گھس جایا کرتے تھے ! وہ آرمیڈا کے نام سے تو واقف ہیں مگر عقبہ ابن نافع کے گھوڑے اور طارق کی کشتیوں کا حال انکو کیوں کر معلوم ہو ! غلامی کا اصلی زہر یہ ہے ! پھر کیا تعجب ہے کہ یہ غافل دنیا میں جدھر جاتا ہے زندگی کو تلخ پاتا ہے !

'' ملاقاتیں ختم ہو گئیں - بارگاہ وزارت کے دروازے بند ہو گئے - بندگان فرمان حاضر ہوئے اور رخصت کردئے گئے - اک تماشہ تھا کہ ختم ہوگیا کوئی نئی بات ہمارے ذہن میں نہیں تھی جو کہتے کوئی نئی بات وزیراعظم کے پاس نہ تھی جو وہ کہتے ہم نے وہی کہا جو عرصہ سے کہہ رہے ہیں انہوں نے وہی جواب دیا جو وہ دیا کرتے ہیں - ہمارے مطالبات بھی وہی تھے ان کا انکار بھی وہی تھا - ہمارے عرض معروض کا انداز کچھہ بدلا ہوا نہ تھا اُنکی نفی کا وزن بھی پہلے سے کچھہ کم نہ تھا - ہمارے آنے سے پہلے کچھہ باقی نہ تھا جو وزیر اعظم کے کان تک نہ پہونچاہو اور ملاقاتیں ختم ہو جانے کے بعد بھی کچھہ باقی نہ رہا . جو آیندہ کہا جائے ! غلام بھی وہی تھے آقا بھی وہی تھا - ہماری پیشانی بھی وہی تھی اور انکا سنگ آستاں بھی وہی تھا ہماری التجائیں بھی وہی تھیں اور انکا اغماز بھی وہی تھا ! پھر آخر یہ سب تھا کیا ؟ ....یہ اب ایک خواب ہے کہ چند روز یاد رہے گا ' میں اس خواب کو حوالۂ قلم کرتا ہوں کہ اگر کہیں یہ صفحات ہندوستان کے آیندہ مورخ کے ھاتھہ پڑ جائیں تو وہ بھی دیکھے کہ ہندوستان کس طلسم میں مبتلا تھا - ہر شخص پوچھتا ہے کہ آخر گئے کیوں تھے جواب اسکے سوا کیا ہو کہ اسلئے کہ بلائے گئے تھے - اتنی جلد کیوں واپس آئے اس لئے کہ واپس بھیجدئے گئے.......''

خواجہ حسن نظامی صاحب اپنی ظرافت کے بارے میں خود فرماتے ہیں :—

" میری طبیعت کی افتاد شوخی و ظرافت کے خلاف واقع ہوئی ہے........مگر جناب اکبر کی ہم نشینی اور کچھہ اِس احساس کے سبب کہ نثر اُردو میں مفید ظرافت کا رواج بڑھے مجھکو بھی شوق ہوا کہ اُردو کے اس میدان میں طبع آزمائی کروں - میری عادت تقلید کی نہیں اسواسطے میں نے اُردو ھی سے اُس کا عنوان نیا تصنیف کیا اور اسکا نام چٹکیاں اور گدگدیاں رکھا ....اکثر مضامین میں جناب اکبر کا پیرایہ میرے پیش نظر ہے وہ نظم کے دو جملوں میں جو بات کہتے ہیں میں نے اسکو ایک بڑے مضمون نثر میں ادا کیا ہے - بعض مضامین کی شوخی کھلی ہوئی ہے بعض کی عبارت اوپر کی سطح سے سنجیدہ معلوم ہوتی ہے مگر اثر دل پر ظرافت کا ہوتا ہے - دانستہ بھی ایسا کیا ہے کہ بعض شوخ مضامین کو رکاکت میں گر جانے کے اندیشہ سے متانت کی چادر اُڑھا دی ہے........ہنسی مذاق میرا کام نہ تھا مگر میں نے محض زبان اُردو کی خاطر اس میں دخل دیا اور کچھ لکھا......میرے تازہ مجموعۂ مضامین پر جو سیپارۂ دل کے نام سے گذشتہ مہینے شائع ہوا ہے جناب مولوی عبدالحق صاحب بی اے سکریٹری انجمن ترقی اُردو نے دیباچہ لکھتے ہوئے ایک فقرہ یہ بھی لکھا تھا کہ ان مضامین میں غالب کے طرح ظرافت کی چاشنی نہیں ہے لہذا آج مغلوبہ کی طرح ظرافت کی چاشنی چکھانے لایا ہوں " -

---

خواجہ صاحب کی ظرافت اپنی آپ مثال ہے - اس طرز میں ان کا کوئی ثانی نہیں ہے، راقم السطور کو رعایت لفظی اور حروف یا الفاظ کی اُلٹ پھیر سے طبعاً نفرت ہے - خواجہ صاحب کے یہاں یہ

چیز کثرت سے ہے ' اس میں شک نہیں یہ سستے قسم کی ظرافت ہے اور اس پر سر دھننے والے بھی کثرت سے ملتے ہیں اور یہ بھي ظاہر ہے کہ خواجہ صاحب کا منشا بھي یہي ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو اپني طرف یا اپني مقاصد کی طرف متوجہ کر سکیں لیکن جہاں تک صحیح ذوق اور سنجیدہ انشاپردازي کا تعلق ہے یہ نیت یا یہ فعل کچھہ بہت زیادہ قابل تحسین یا تقلید نہیں ہے - لیکن اس میں بھي شک نہیں جہاں خواجہ صاحب مفہوم اور مقصود کو ان لفظي بازیگریوں یا گورکھہ‌دھندے سے محفوظ رکھتے ہیں وہاں ان کي خیالات نہایت درجہ پُر لطف اور اتنا ھي سبق آموز ہوتے ہیں - طنزیات اور ظرافت دونوں انتہائي خلوص اور ایمانداري کے طلبگار ہوتے ہیں - یہاں اشخاص اور الفاظ کو زبردستي یا دیدہ و دانستہ اُچھالتے ' پھراتے رہنا ' کفر ھي نہیں بلکہ اس سے کچھہ زیادہ یعني بد مذاقي ہے !

خواجہ صاحب کے بعض چٹکلے دوسروں کے پورے ظریفانہ مضامین پر بھاري ہوتے ہیں - خواجہ صاحب کي سہل ' سادہ اور مزیدار اُردو بجائے خود لطیفہ ہوتی ہے چہ جائیکہ اس میں ظرافت اور خوش طبعي کی بھي چاشني رکھدی جائے - ہر اچھی ظرافت ایک قسم کي خوشگوار طنز ہوتي ہے اور ہر خوشگوار طنز بجائے خود ایک لطیف ظرافت ! اس کا بہترین ثبوت خواجہ صاحب کی بعض چٹکیاں اور گدگدیاں ہیں '

ملا رموزی اور خواجہ حسن نظامي کي ظرافت اور خوش طبعی میں یہي چیز مابہ‌الامتیاز ہے - ملا رموزي کا دماغ ظرافت کے لئے نہایت رسا ہے ' وہ جس موقعہ کا تذکرہ کریں گے اس میں ظرافت

یا طنز کے جتنے پہلو ممکن ہیں سب اُن کے سامنے آجائیں گے لیکن لکھتے وقت وہ اس حقیقت کو فراموش کر جاتے ہیں کہ سب باتیں لکھنے کی نہیں ہوتیں یا اُن الفاظ اور لہجہ میں نہیں لکھنا چاہئے جن میں ملا صاحب لکھنے کے عادی ہیں ملا صاحب کی تحریروں میں ایک چیز اکثر کھٹکتی ہے اور اس چیز کا احساس سوا ملا صاحب کے ہر ایک کو ہے یعنی وہ دوسروں کی پگڑی اور اپنا نام اُچھالنے کی زیادہ فکر رکھتے ہیں ۔ اور یہی وہ چیز ہے جس کے سبب سے اُن کی بہترین ظرافت ، بد ترین طنز – اور بہترین طنز ، بدترین ظرافت میں تبدیل ہو جاتی ہے – جو چیز پیشہ بنا لیجائے گی وہ ہمیشہ قبیح نظر آئیگی اور جو چیز بطور مشغلہ تفریح برسرکار رہیگی وہ ہمیشہ مقبول اور محبوب ہوگی - ملا رموزی صاحب نے ظرافت اپنا پیشہ سا بنا لیا ہے اور یہی سبب ہے کہ بسا اوقات وہ لکھتے لکھتے ایسا لب و لہجہ اختیار کر لیتے ہیں یا ایسے الفاظ اور فقرے لکھ جاتے ہیں جو انکے جیسے رتبہ کے انشاپردازوں کے شایاں شان نہیں ہوتے - مثلاً رسالہ صوفی میں انہوں نے پیروں ، صوفیوں اور اسکول کے لڑکوں کے بارہ میں جو قلمی جہاد (یا مغلظات) شروع کیا ہے وہ کسی طور پر ایک معقول مسلمان انشاپرداز کے شایان شان نہیں ہے - ملا صاحب غالباً راقم‌السطور سے بہتر اس امر کا احساس رکھتے ہیں کہ مکروہ سے مکروہ اور فحش سے فحش حالات اور واقعات پر بڑی انتہائی لطافت اور نزاکت سے اظہار خیال کیا جا سکتا ہے اور اگر ایسا کرنا ناممکن ہے تو پھر انشا پردازی کے بجائے کچھ اور کیوں نہ شروع کردیا جائے !

بایں‌ہمہ مجھکو یہ کہنے میں تامل نہیں کہ ملا صاحب کی

تصنیفات بعض حیثیات سے بے مثل ھیں ' ان کو ایسی ایسی ظرافتیں بھی سوجھہ جاتی ھیں جہاں بمشکل کسی کی رسائی ہو سکتی ھے جو نہایت درجہ دلکش اور پر لطف ھوتی ھیں اور جہاں تک ہر شخص کا پہنچنا قطعاً آسان نہیں ھے ! نانصافی ہوگی اگر یہاں پروفسر عبدالقادر سروری ام اے ایل ایل بی کے خیالات بھی ناظرین کے سامنے نہ پیش کئے جائیں جو انہوں نے ملاصاحب کے مضامین کے مجموعہ پر بطور " ایک عامی تبصرہ " قلمبند فرمائے ھیں '

" ......غرض ابھی ایک وسیع اور شاندار مستقبل ہمارے سامنے ھے جس کا راستہ ملا رموزی نے کھول دیا ھے یقیناً ملارموزی کی ظرافت نگاری اخبارات اور رسائل سے نکلکر مستقل ادبیات میں جگہ کرلیگی اور قوم کے پژمردہ دلوں کے لئے مسرت پائدار ثابت ہوگی اور ملک کے تاریک ترین گوشوں کے لئے بھی روشنی کا کام دیگی اسی لئے ملا رموزی کو مبارکباد دیتا ہوں کہ آپ کی نثری اور ادبی خدمات اب بتدریج ادبیات اردو کا جزولازم بن رہی ھیں اور " تاریخ ادبیات اُردو " آپ کا نام ھمیشہ عزت وشکر گذاری سے محفوظ اور برقرار رکھیگی - "

خواجہ حسن نظامی صاحب کی چٹکیاں اور گدگدیاں :-

" ساربان ابن ساربان "

" تمہارے خاقان ابن خاقان و سلطان ابن سلطان کا ہم قافیہ ساربان ابن ساربان ہوں ' اونٹ چلاتا ہوں - اونٹ کی محنت پر میری زندگی کا دارومدار ھے -

دیکھو میرے پیچھے اونٹوں کی ایک قطار چلی آتی ھے '

هر اونت کي نکیل دوسرے کي دم سے بندھي ہوئي ہے اور بیچارہ چپ چاپ گردن جھکائے آگے والے اونت کے قدم بقدم چلا جاتا ہے -

راستہ میں ایک منطقي صاحب ملے تھے - بولے کہوں بھئی اونٹو! تمہاری پیٹھہ پر کیا لدا ہوا ہے اور تم کہاں جاتے ہو ' سب نے کہا اسکی خبر ہمارے ساربان ابن ساربان کو ہے - اس نے جو کچھہ لاد دیا ہے ہم نے لاد لیا ہے - وہ جہاں لے چلے گا وہاں چلے جائیں گے -

منطقي نے کہا تم کو معلوم کرنا چاہئے تھا کہ کہاں کا ارادہ ہے اور پشت پر لادي ہوئي چیز کیا ہے - یہ سنکر ایک اونت نے کیا خوب جواب دیا کہ آپ کے کالجوں اور اسکولوں میں جو شترزادے کتابوں کا بوجھہ اٹھائے ہوئے اور ایک دوسرے کي دم سے بندھے جارہے ہیں ان سے بھي کبھی پوچھا کہ کہاں جاؤ گے اور تم پر کیا لدا ہوا ہے......''

'' پیاری ڈکار ''

'' کونسل کي ممبري نہیں چاہتا ' قوم کي لیڈري نہیں مانگتا - ارل کا خطاب درکار نہیں موٹر اور شملہ کی کسی کوٹھي کي تمنا نہیں میں تو خدا سے اور اگر کسي دوسرے میں دینے کي قدرت ہو تو اس سے بھي صرف ایک ' ڈکار ' طلب کرتا ہوں - چاہتا یہ ہوں کہ اپنے طوفانی پیٹ کے بادلوں کو حلق میں بلاؤں اور پوري گرج کے ساتھہ باہر برساؤں یعني کراکے دار ڈکار لوں پر کیا کروں یہ نئے فیشن والے مجھکو زور سے ڈکار لینے نہیں دیتے - کہتے ہیں ڈکار آنے لگے تو ہونٹو کو بھیچ لو اور ناک کے نتھنوں سے اُسے چپ چاپ آزادو آواز سے ڈکار لینی بڑي بے تہذیبي ہے -

مجھے یاد ھے سر جیمس لاتوش یو پی کے لفٹننٹ گورنر علی گڑہ کالج میں مہمان تھے رات کے کھانے میں مجھ جیسے ایک گنوار نے میز پر زور سے ایک ڈکار لے لی - سب جنٹلمین اس بیچارے دھقانی کو نفرت سے دیکھنے لگے - برابر ایک شوخ و طرار فیشن ایبل تشریف فرما تھے انھوں نے نظر حقارت سے ایک قدم اور آگے بڑھا دیا جیب سے گھڑی نکالی اور اس کو بغور دیکھنے لگے - غریب ڈکاری پہلے ھی گھبرا گیا تھا - مجمع کی حالت سے متاثر ھورھا تھا - برابر میں گھڑی دیکھی گئی تو اُس نے بے اختیار ھوکر سوال کیا - جناب کیا وقت ھے - شریف فیشن پرست بولا گھڑی شاید غلط ھے - اس میں نو بجے ھیں مگر وقت بارہ بجے کا ھے کیونکہ ابھی توپ کی آواز آئی تھی !

بیچارہ ڈکار لینے والا سنکر پانی پانی ھوگیا کہ اسکی ڈکار کو توپ سے تشبیہ دیگئی - اس زمانے میں لوگوں کو سلف گورنمنٹ کی خواھش ھے ھندوستانیوں کو عام مفلسی کی شکایت ھے - میں تو نہ وہ چاھتاھوں نہ اس کا شکوہ کرتا ھوں - مجھکو تو انگریزی سرکار سے صرف آزاد ڈکار کی آرزو ھے - میں اس سے ادب سے مانگونگا ' خوشامد سے مانگونگا - کوئی نہ مانیگا تو کہے دیتا ھوں زور سے مانگوں گا - جد و جہد کروں گا - ایجی ٹیشن مچاؤں گا - پُر زور تقریریں کروں گا - کونسل میں جاکر سوالوں کی بوچھار سے آنریبل ممبروں کا ناک میں دم کروں گا -

لوگو ! میں نے تو بہت کوشش کی کہ چپکے سے ڈکار لینے کی عادت ھو جائے - ایک دن سوڈا واٹر پی کر اس بھونچال ڈکار کو ناک سے نکالنا چاھتا تھا مگر کمبخت دماغ میں الجھہ کر رہگئی ' آنکھوں سے پانی نکلنے لگا - اور بڑی دیر تک کچھہ سانس رکا رکا سا رھا !

کیوں بھائیو تم میں سے کون میری حمایت کریگا اور نئی روشنی کی فیشن ایبل سوسائٹی سے مجھکو اس اکسٹریمسٹ حرکت کی اجازت دلوائیگا - خلقت تو مجھکو حزب‌الاحرار یعنی گرم پارٹی میں تصور کرتی ہے اور میرا یہ حال ہے کہ اپنی گرم ڈکار تک کو گرما گرمی اور آزادی سے کام میں نہیں لاسکتا - ٹھنڈی کر کے نکالنے پر مجبور ہوں ا

بعض بے‌مزہ لفظی اُلٹ پھیر کی مثالیں :—

"پٹرولیم کا قحط :—

ایک معنی تو پٹرولیم کے کال کے ہیں اور دوسرے علحدہ علحدہ معنوں میں ' یعنی پہنٹر بمعنی پیٹروگراڈ اور دوسرا (قیصر) ولیم سب کا مفہوم یہ رہا کہ جرمنی اور روس دونوں غائب !!

"طائر ہوائی کی بیٹ"

ایک بیٹ تو وہ جو سخن فہمی عالم بالا کے سلسلہ میں کسی شاعر کو نصیب ہوئی تھی دوسری بمعنی ' ضرب ' انگریزی میں beat بیٹ کے معنی مارنے کے ہیں - مطلب یہ ہے کہ "ہوائی پرندوں کی آتشی بیٹ جرمن کے منھہ پر ہورہی ہے" ا

"جرمن میں مس کی کمی"

مس بمعنی تانبا اور مس بمعنی منیہئہ - "پس اہل جرمن کو چاہئے کہ وہ مسوں کو موموہائی بناکر کیمیائی طریق سے مِس بنالیں"

"جنرل فان"

"اس میں فان لگا ہوا ہے جسکے معنی فنا ہونے کے ہیں - معلوم نہیں وہ اس لفظ سے فاعلیت کا اثر حاصل کرینگے یا

مفعولیت کا - آخری اثر ہوا تو ان کے ہاتھوں سے جرمنی قوم کا فنا ہو جانا لازمي ہے " !

" آپان "

" جاپاني دھاں کے چاول کھانے والے ہندوستان کے پان کے قریب ہونے کے سبب اپنے ملک کو جاپان کہتے ہیں اُن سے کہدو کہ ہمارے پان کو نظر نہ لگائیں کیونکہ ان کی زبان سے جاپان سنکر جي دھڑکتا ہے - وہ ہمارے دوست ہیں تو اپنے ملک کا نام آپان رکھہ لیں تا کہ پان خور ہندوستانی وہاں جا کر علم و ہنر سیکھہ آیا کریں - پان پر جا کا لفظ تھیک نہیں "

" جنوري میں جانوری "

" جنوري کي سردي میں ہر انسان جانور بن جاتا ہے اور ہر وقت لحاف و کمبل کے بھت میں گھسا رہنا چاہتا ہے "

" دردمہ "

اخبار ہمدرد کو اُلت کر دیکھو تو دردمھہ بن جائے - اس واسطے ثابت ہوا کہ ضرور اُس کے ایڈیٹر کے شکم میں ہلال کا درد ہے "

" لال ہلا "

" الہلال بند ہو گیا - یہ بے نقط اخبار تھا اور سب کو بے نقط سناتا تھا - جب چارۂ کار کي تدبیریں ہونے لگیں تو اُس کے حروف کو بھي اُلت کر دیکھا تو حکم ملا (لال ہلا) معلوم نہیں الہلال کے محرر خصوصي لالوں کا ہلانا منظور کرینگے یا نہیں طوطے تو بہت پال چکے ہیں لالوں کا پنجرا بھی رکھہ لیں تو کیا مضائقہ ہے " ؟

وغیرہ وغیرہ -

ملا رموزی صاحب :—

اگر یہ صحیح ہے کہ بڑے بڑے لارڈ "آپریشن" سے شفاخانوں میں مرجاتے ہیں - اگر ہندوستانی راجے مہاراجے قوت باہ اور طلا کی گولیوں سے ہلاک ہوتے رہتے ہیں اگر ہندوستانی قلی ، صاحب لوگوں کی ٹھوکر سے مرجاتے ہیں تو دیکھہ لینا ہم کسی نہ کسی دن مضمون نگاری میں .... یہ ہو جائینگے اور یار لوگ اناللہ پڑہ کر فارغ ہو جائیں گے........وہ تو قوم نے مالداری کی وجہ سے خواجہ حسن نظامی صاحب کو "مصور فطرت" کہدیا ہے ورنہ اصل میں "مصور فطرت" تو ہم تھے جب کہ ہم ہر شخص کا حلیہ کھینچ کر رکھہ لیتے میں عبدالرحمن چغتائی سے کیا کم ہیں اور ہمارا کونسا مضمون ہوتا ہے جو "عمل چغتائی" کا کام نہ دیتا ہو......"

"کالا آدمی"

جنوبی افریقہ میں گول میز کانفرنس کیجئے چاہئے کوہ ہمالیہ پر بیٹھہ کر تالیاں بجائیے - یہ جو ہندوستان کے تیس بتیس کرور انسان "کالا آدمی" ہو چکے - سو اب سفید نہیں ہو سکتے - یقین نہ ہو تو شریک ہو جائیے وائسرائے کے استقبالی ہجوم میں ، جمع ہو جائیے کسی بازار میں اور مجمع کیجئے کسی ریلوے پلیٹ فارم پر - پس ایک انگریز صاحب آئیں گے اور "اے کالا آدمی" کہہ کر آپ کو ہٹا دینگے علحدہ کردینگے اور کبھی آپکے اوپر سے گھوڑا دوڑا کر منتشر کردینگے - مگر یہ کبھی نہ کرینگے کہ "کالا آدمی" سمجھکر ریل کا کرایہ ، لفافوں کی قیمت یا میونسپل ٹکس آپ سے کم کروالیں لیکن سوال یہ ہے کہ آخر

انگریزوں نے ہندوستانیوں کا تخلص "کالا آدمی" ہی کیوں رکھا ؟ اس کا جواب....مسیح موعود نے یہ دیا ہے جب کہ ہم ہندوستانی پانی پت کے میدان میں انگریز بھائیوں کے مقابلہ سے بھاگ چکے تو اب انگریز ہو گئے "اولی الامرمنکم" لہذا اب ان پر کوئی اعتراض ' سوال ' تنقید ' غرض سب کچھ حرام ہے......"

ریل کا سفر :—

"......لیکن عین اس وقت جب کہ ہم جوانی کی نیند کے مزے لے رہے تھے یکایک ایک جھٹکا لگا جس کے اثر سے ہم الصلوٰۃ خیر من النوم..........کہتے ہوئے بیدار ہو گئے اب جو آنکھیں کھولتے ہیں تو سینہ پر ایک گٹھری اور بستر ا رکھا پاتے ہیں لیکن آپ بھی ہمارے وسیع مطالعہ کو دیکھئے کہ چھاتی پر بستر ا رکھا دیکھکر ہمیں کوئی حیرت نہ ہوئی بلکہ فوراً سمجھ گئے کہ ہو نہ ہو یہ کوئی اسٹیشن ہے - جہاں سے کوئی گھبرایا ہوا کسان سوار ہو رہا ہے اور اس نے گھبراہٹ میں یہ بستر ا کھڑکی سے ہی ہمارے اوپر دے مارا اور اب وہ صدر دروازہ سے آیا ہی چاہتا ہے - یہ سوچ کر گردن جو اٹھائی تو صدر دروازہ سے دیکھا کوئی دس بارہ کسان ریل کے اندر چلے آرہے ہیں ' سروں پر چار چار تھان کھدر کے لپیٹے ہوئے جن کے اندر سے وہ لمبی لمبی چلمیں نظر آرہی تھیں جو بوقت سفر اس کھدری عمامہ کے اندر لگا لی جاتی ہیں - اسی کھدر کے "میڈ ان دیہات" کوٹ جنکے سینے کھلے اور اندر سے بال صفا پوڈر صاف نظر آرہے تھے - ہاتھوں میں بڑی بڑی لاٹھیاں ' بقدر ستر عورت دھوتیاں اور پاؤں میں وہ وزنی جوتے جو اخبار ہمدم کے کسی لکھنوی

کاتب یا اسسٹنٹ اڈیٹر کو غلطی سے پھلا دئے جائیں تو اُف کہہ کر اناللہ ھو جائیں - غرض کسانوں کی یہ پوری پارلمنٹ جب اس ڈبے میں داخل ہوئی تو اب ہمیں اطمینان ھو گیا کہ بمبئی تک سونا تو ایک طرف شاید ھم حرکت بھی نہ کر سکیں گے ''

'' ......اب بتائیے کہ ملا رموزی پولیس کو لے کر کس کے پیچھے بھاگیں ؟ میاں مجرد کے یا اس عورت کے یا اس عورت کے ان بے حیا بے غیرت اور بے حمیت ماں باپ کے جلھوں نے اس حرافہ اور فاحشہ کو پال کر جوان کیا اور خدا پرستی کو ذلیل کرانے کے لئے بھیجا بھی تو اندھوں نے ایک بدمعاش پیر کے پاس مگر آہ تمہیں کیا خبر کہ آج دولت مندوں کے کتنے اونچے اور نیچے گھرانے کی بدکار و بدمعاش عورتیں ھیں جو مرید ہونے کے نام سے ان بدمعاش پیروں کے آغوش میں ھیں مگر نہ انھیں موت آتی نہ ان کے مردوں کو اور مارے غیرت اور تاؤ کے سوکھہ کر کانٹا ہوتے جاتے ھیں کون کہ یہ اپنے ھنسانے اور زندہ دل بنانے والے ملا رموزی صاحب ا

'' .....لہذا ارباب قلم سے درخواست ھے اگر انھیں تاریخ کے معزز صفحات میں اپنی اس نئی نسل کو زنانہ نسل لکھوانے سے کچھہ بھی شرم دامنگیر ہوتی ھے تو وہ شمشیر بے پناہ ھو کر لڑکوں کے اس زنانہ پن کو روکنے میں ملا رموزی کا ساتھہ دیں کیونکہ بناؤ سنگھار اور زنانہ پن کے حساب سے یہ لڑکے اب اس قابل ھو گئے ھیں کہ لوگ ھر لڑکے کے باپ کو یہ پیغام بھیجنا

شروع کردیں کہ اپنے لڑکے کے ساتھہ ہماري نسبت منظور فرماکر ہمیں اپني فرزندي میں قبول فرمائے...... "

طنزیات و مضحکات کے سلسلہ میں اودہ پنچ کا تذکرہ ضروري بھی ہے اور دلچسپ بھی - غالب کے عہد تک طنز اور ظرافت کا جو سرمایہ اردو میں ملتا ہے وہ " پنچیانہ " رنگ پنچ سے گو بے نیاز نہیں ہے لیکن اس میں شک نہیں اس دور تک پنچ کو صحافتي درجہ حاصل نہیں تھا - اسبارہ خاص میں اودہ پنچ کو امتیاز تقدم حاصل ہے - اودہ پنچ کے بعد ہندوستان کے دیگر حصص میں پنچ کی حیثیت سے مختلف جرائد شائع ہوئے اور اب بھي شائع ہو رہی ہیں لیکن خود اودہ پنچ کے رنگ کو اس میں سے ایک بھي نہیں پہنچ سکا -

منشي محمد سجاد حسین صاحب مرحوم نے سنہ ۱۸۷۸ع میں اودہ پنچ کا اجرا کیا - اس وقت سیاسي مسائل نسبتاً کچھہ زیادہ جاذب توجہ نہ تھے ' اگر تھے بھي تو ایسے نہیں کہ ان کي اصلاح یا ان کا احتساب مقصود بالذات ہوتا - ان پر اظہار خیال کیا بھی جاتا تو محض سرسري طور پر وہ بھي تفریحاً جو مسائل اس وقت منشی صاحب مرحوم اور ان کے رفقائے کار کے پیش نظر تھے وہ بڑی حد تک معاشرتی یا مقامي تھے - مولوي سید محمد آزاد یا اکبر حسین صاحب اکبر کي طنز اور ظرافت کی آما جگاہ حکومت اور سیاست نہیں بلکہ مغرب اور مغربیت تھي -

بدنصیبي سے منشي سجاد حسین مرحوم فالج میں مبتلا ہوئے لیکن یہ کلفت جسمانی ان کي ہمت مردانہ اور شگفتگي طبع

کو مضمحل نکر سکی 'اودھ پنچ نکلتا رہا ' فالج کا دوسرا دورا ھوا ' قلمی معاونین کی صف بھی اب کہیں کہیں سے خالی ہونے لگی تی ' کچھہ جان بحق ھو چکے تھے ' بقیہ حق بخشوا رہے تھے ' بچی کچھی صرف سجاد مرحوم کی وضعداری رہ گئی تھی جو بالاخر ان کی زندگی اور ان کی تمام ملک و معشیت کے ساتھہ ختم ہو گئی اور اس طرح سنہ ۱۹۱۳ میں اودھ پنچ بند ہوگیا ۔

دو سال بعد سنہ ۱۹۱۵ع میں حکیم شیخ محمد ممتاز حسین صاحب نے (جلکیہ والد لکھنؤ کے تعلقہ داروں میں سے تھے) اودھ پنچ کو دوبارہ زندہ کرنے کا عزم کیا ۔ حکیم صاحب موصوف ریڈ کرسچین کالج میں اردو شارٹ ھیلڈ (مختصر نویسی) کے پروفیسر تھے اور اب اودھ پنچ کے اڈیٹر ہیں مولانا جسٹس کرامت حسین صاحب مرحوم کے مشورہ سے ممتاز حسین صاحب نے سنہ ۱۹۱۶ع میں اودھ پنچ کو نئے سر سے شائع کیا اور اب تک ملک و ملت اور زبان کیخدمت میں مصروف و منہمک ہیں ۔

موجودہ عہد میں اودھ پنچ کا رویّہ بحیثیت مجموعی حسب ذیل مقاصد کا ترجمان ہے '

۱ ۔ بد اخلاق اور بد مزاق کے سوانح ذاتیہ سے قطع نظر عام بداخلاقی اور بد مزاقی کی ہجو کیجائے ۔

۲ ۔ آزادئی مُلک ۔ لیکن لب و لہجہ اشتعال انگیز ہونے کے بجائے ظرافت خیز ہو ۔

۳ ۔ صحت اور سلاست زبان

۴ ۔ علمی اور فلسفیانہ مضامین کو بھی فروغ دیا جائے بشرطیکہ شگفتگی اور ظرافت کا عنصر نمایاں طور پر غالب ہو ۔

۵ - مضحک تصاویر (کارتون) سے طنز اور ظرافت کا اظہار اور اُسکی اشاعت -

اودھ پنچ کے دور اول کے مشہورترین مضمون نگار سرشار ' اکبر اور آزاد تھے ' موجودہ عہد میں سید مقبول حسین صاحب ظریف اُسکے بہترین علمبردار ہیں - اودھ پنچ کے دوسرے مضمون نگار اپنے نام کی اشاعت گوارا نہیں کرتے - ممکن ہے یہ طریقہ کار بربنائے مصلحت مناسب یا ضروری ہو لیکن اُردو کی تاریخ مرتب کرنے والے نیز اُردو کے آئندہ انشاپردازوں کیلئے یہ "مصلحت" غیر مفید اور تکلیف دہ ثابت ہوگی - اسکی تلافی کی اگر کوئی ممکن اور معقول صورت ہوسکتی ہے تو صرف یہ کہ اودھ پنچ کے منتخب اور ٹکسالی مضامین کا مجموعہ کتابی شکل میں وقتاً فوقتاً شائع ہوتا رہے -

اودھ پنچ کی سب سے نمایاں خصوصیت کارٹونوں کا شائع کرنا ہے - طنز اور ظرافت کا یہ پہلو اُردو میں کمیاب بلکہ نایاب تھا - اودھ پنچ کے بعض کارٹون اپنی ندرت اور جامعیت کے اعتبار سے یورپین صحائف کے بعض بہترین کارٹونوں سے لگا کھاتے ہیں -

بعضوں کا خیال ہے کہ " پنچیانہ ظرافت " اکثر ذوق سلیم پر بار ہوتی ہے - پنچ میں لکھنے والے اکثر حد اعتدال سے گذر جاتے ہیں - ان کا مقصد طنز اور ظرافت کے بجائے " تھکا فضیحت " ہوتا ہے اور اس طور پر پنچ کے ذریعہ سے سوقیانہ ظرافت اور بازاری پھکڑ کو بے جا فروغ حاصل ہوتا ہے وغیرہ وغیرہ -

ممکن ہے یہ فرد جرم اودھ پنچ یا کسی اور پنچ پر کامیابی کے ساتھہ لگائی جا سکے لیکن یہ کہنا کلیۃً صحیح نہیں ہے کہ

پلیچ اس قسم کے پھکڑ یا فحاشی کو اپنا نصب‌العین سمجھتا ہے - پلیچ کا وسیلہ پھکڑ یا فحاشی ہو سکتا ہے مقصد ہرگز نہیں ہوتا - پلیچ کا مقصد عالمانہ اور فلسفیانہ ظرافت کی نشر و اشاعت نہیں ہوتا - اس کے یہ معنی نہیں ہیں وہ تبسم نہیں صرف قہقہہ کا قائل ہوتا ہے - اور اسمیں بھی شک نہیں وہ تبسم سے زیادہ قہقہہ کا قائل ہوتا ہے اب رہا یہ مسئلہ کہ یہ قہقہہ پھکڑ یا فحاشی کا محتاج ہوتا ہے یا کوئی سنجیدہ ظرافت بھی اس کی محرک یا معین ہو سکتی ہے تو اس سے کون انکار کر سکتا ہے کہ فی‌الحقیقت متبسم ہونے یا قہقہہ لگانے کا انحصار نفس ظرافت پر اتنا نہیں ہے جتنا خود متبسم ہونے یا قہقہہ لگانے والے کی افتاد طبع پر - یہ بھی ممکن ہے کہ اس کا تعلق نفس ظرافت سے ہو بنا بر آں خود ظرافت کو معقول اور مہذب ہونا چاہئے یہ اور بات ہے کہ اس پر کوئی قہقہہ لگائے یا متبسم ہو -

لیکن یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ " معقول " اور " مہذب " کا معیار کیا ہے اور آیا پلیچ اس کا پابند ہے یا نہیں - سرسری طور پر اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ معقول اور مہذب کا معیار وہی ہے جو معقول اور مہذب لوگوں کا شعار ہو - لیکن سوال کا دوسرا حصہ یعنی آیا پلیچ کو اس کا پابند ہونا چاہئے یا نہیں ' کسی قدر پیچیدہ ہے - بظاہر یہ جواب دیا جاسکتا ہے کہ پلیچ کو یقیناً اس کا پابند ہونا چاہئے -

یہاں اس امر سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ پلیچ کا مفہوم خود " عام پسندی " سے وابستہ ہے - لیکن خرابی یہ ہے کہ یہی " عام پسندی " اکثر گر کر " عوام پسندی " کے حدود

تک پہنچ جاتي هے - ظاهر هے جس تحریک کا مقصد "عام پسندی" هوگا وہ "عوام پسندي پر" ختم هوگا - پنچ بالعموم اپنا مخاطب عوام کو سمجھتا هے ' ممکن هے پنچ کو اس سے انکار هو لیکن خود عوام اس سے کبھي انکار نه کرینگے - یہاں اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا که پنچ بعض پیچیدہ نکتے ' دقیق مسائل ' اور پر لطف اشارات کو اکثر ایسے انداز سے پیش کرتا هے که عوام اس کو سمجھه سکیں یا نہیں لیکن اس پر سر دھننے کے لئے آمادہ هو جاتے هیں - تاهم یه فن یا طریقۂ کار اپنے مقاصد کے اعتبار سے کتنا هي مستحسن کیوں نه هو حد درجه نازک اور خطرناک هے - اکثر ایسا هوتا هے که اس کوشش میں قطعاً ناکامیابي هوتي هے اور پنچ کي ظرافت سرقیانه اور بازاري هو جاتي هے -

"عام پسند" یا "خاص پسند" کا مسئله نازک اور مشکل هے - سیاسي اور معاشرتي مسائل کي اهمیت ممکن هے "عام پسندی" سے وابسته هو لیکن جہاں تک اس کا تعلق طنز و ظرافت کے فن یا مذاق سلیم سے هے یه کہنے میں تامل نہیں کیا جا سکتا که طنز اور ظرافت کو هر حال میں تکسالي هونا چاهئے - عوام کے مذاق کو بھي ' خواص ' کے سطح پر لانے کي کوشش کرنا چاهئے - اس کوشش کا سب سے پہلا اور سب سے قوي اثر یه هوگا که ظرافت کي سطح مائل به پستی هونے کے بجائے هیشه مائل به عروج رهیگي - یه چیز نہایت ضروري هے اور ظاهر هے اس مقصد کي کامیابي میں پنچ کي خدمات سے همیشه رجوع کرنا پڑےگا -

پست اور سستے قسم کي ظرافت کي اشاعت کا جرم اودہ پنچ

پر عائد ہوتا ہو یا نہ ہو ' پنچ پر یہ پورے طور پر عائد ہوتا ہے اور یہاں بقول ہمارے ایک دوست پنچ کے "شامل میں" وہ تمام اخبارات اور رسائل آجاتے ہیں جو اکثر پتنگی کاغذ پر شائع ہوتے ہیں اور جنکا سر ورق اڈیٹر اور اڈیٹوریل اسٹاف کی "قلمی تصاویر سے مزین" ہوتا ہے - پنچ کے نام و نسبت سے بہار ' ممالک متحدہ ' دکن وغیرہ میں اکثر صحائف شائع ہوتے ہیں - ان سب کے مخاطب عوام ہوتے ہیں اور ان کی ظرافت بھی بازاری ہوتی ہے - یہ سب اپنی ابتدا اور ارتقا کے اعتبار سے اودھ پنچ کے تابعین اور تبع تابعین میں سے ہیں لیکن ان کو اپنے مورث یا مرشد سے وہی نسبت ہے جو آج کل کے پیر پیشواؤں کو قدیم اکابر دین سے ہے - حسن و عشق کو جتنا طوائفوں اور شاعروں نے بدنام کیا ہے اس سے کچھ سوا ہی طنز اور ظرافت کو پنچ اور......(یہ الفاظ اصل مسودہ میں صاف پڑھے نہیں گئے! رشید) نے رسوا کیا ہے -

اودھ پنچ کی روایات کی ابتدا منشی سجاد حسین کی بے باک صداقت اور بے لاگ ظرافت سے ہوئی اور اب اس کی تکمیل کی ذمہ داری حکیم شیخ ممتاز حسن صاحب کے سپرد ہے اور یہ اودھ پنچ کی انتہائی خوش نصیبی ہے - حکیم صاحب کی علمی قابلیت اور ہمہ دانی مسلم ہے - راقم السطور نے ان کو قدیم وضعداری اور جدید روشن خیالی کا ایک متوازن پیکر پایا - لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس کی بھی قسم نہیں کھائی جا سکتی کہ وہ طنز اور ظرافت کے فلسفہ اخلاق کے بھی ماہر ہیں - اودھ پنچ میں اکثر مضامین ایسے بھی پائے گئے ہیں جن کو شائع نہ کرنا بہتر تھا جن کی ظرافت مشتبہ اور دل آزارانہ تنقید مسلم تھی

اودھ پنچ کو کسی مخصوص جماعت کے مسلک و مشرب کے خلاف اپنی طنز یا ظرافت کی خواہ مخواہ یا مسلسل اشاعت نہ کرنی چاهئے - طنز و ظرافت کا شمار دنیا کے بعض مہلک ترین اسلحہ‌جات میں ہوتا ھے - اس کے استعمال کا منصب ھر وقت ھر سپاهي یا پیادہ کو نہ ھونا چاهئے بلکہ سپہ‌سالار کي خاص اجازت پر اور اسکي براہ‌راست نگراني میں اس کو بروئے کار لانا چاهئے -

اگر اکبر سرشار اور آزاد قدیم اودھ پنچ کے آوردوں میں سے تھے تو اس سے بھي انکار نہیں کیا جا سکتا کہ سید مقبول حسن ظریف جدید اودھ پنچ کے چشم و چراغ ھیں - جہاں تک معلوم ھوسکا ھے ' سید صاحب ظریف شاعر ھیں -

راقم‌السطور کي نظر سے ظریف صاحب کا کوئي ایسا مضمون نہیں گذرا جو نثر میں ھو - ممکن ھے ظریف صاحب نے نثر میں بھي ظرافت نگاري کي ھو لیکن اس کو قبول عام نصیب نہیں ھوا - ظریف صاحب کي ظرافت بالعموم "زبان" اور "بیان" سے وابستہ ھوتي ھے - اس کے یہ معني نہیں ھیں کہ واقعات اور حالات پر ان کی نظر نہیں ھوتي - کہنے کا مقصد یہ ھے کہ ان کي زبان اور ان کا بیان اس درجہ بے ساختہ اور لطیف ھوتا ھے کہ سننے اور پڑھنے والا بے‌اختیار ھونے پر مجبور ھو جاتا ھے - موجودہ دور میں ظرافت‌نگار شاعر کي حیثیت سے ظریف صاحب کا پایہ اپنے معاصرین سے بہت بلند ھے -

راقم‌السطور کا خیال ھے کہ ظریف صاحب کو تمثیل‌نگاري (ڈرامہ) کي طرف توجہ کرنا چاهئے - اس میں شک نہیں کہ تمثیل‌نگار کے لئے جس چیز کی سب سے زیادہ ضرورت ھے وہ ظریف صاحب میں غالباً بدرجہ اتم موجود نہیں ھے یعني وہ انساني فطرت اور معاشرت کي نزاکت اور حقائق سے پورے طور پر آشنا نہیں معلوم ھوتے - تاھم اس

سلسلہ میں جہاں تک زور بیان یا لطف بیان کا تعلق ہے اور یہ عنصر بھي کچھہ کم وقیع نہیں ہے وہ اس فن کے امام ہیں -

ظریف صاحب کي ایک مشہور نظم یہاں ہدیہ ناظرین ہے - گنجائش نہ ہونے کے سبب سے صرف اسي نظم پر اکتفا کی جاتي ہے ورنہ اس کے علاوہ سید صاحب کي دیگر نظمیں بھي کچھہ کم قابل اعتنا نہیں ہیں - اس سلسلہ میں ناظرین کي توجہ ظریف صاحب کي مشہور منظوم سیاحت ' سیاحت عراق کي طرف بھي مبذول کرائي جاتي ہے جو اپني مخصوص نوعیت کے اعتبار سے اُردو ادب میں نہایت وقیع حیثیت رکھتی ہے -

---

شامت الکشن

(مُسدس)

واہ بي میونسپلٹي جان ' کیا کہنا ترا
تو چچي لیلیٰ کي ' عاشق تیرا مجنوں کا چچا
اپني خودداري کو کھو کر تجھہ پہ جو شیدا ہوا
بے خودي میں یہ زبانِ حال سے کہتے سنا
بسکہ دیوانہ شدم عقل رسا درکار نیست
عاشق میونسپلٹي را حیا درکار نیست

تیرا خواہشمند ' ہر قید لیاقت سے بري
جس کا جي چاہے لڑے اور لڑکے لے لے ممبري
عہد آزادي نے ایسي ڈال دي ہے ابتري
اب تو ہر تانیث اور تذکیر میں ہے ہمسري

تجھکو کیا رنڈی ہے کوئی یا نہ رنڈی باز ہے
تیرا دروازہ کس و ناکس کے اوپر باز ہے
جمع کردے قرض ہی لیکر ضمانت کے پچاس
دور ہوتی جائے غیرت جب الکشن آئے پاس
ووٹروں کے ہاتھہ جوڑے خوب ہو کر بدحواس
گڑ گڑا کر ہر کس و ناکس سے ہو یہ التماس
رہن پرچے کے عوض عزت میری کر لیجئے
اپنے بچوں کا تصدق ووٹ مجھکو دیجئے

سنئے اک صاحب کا قصہ جب ہوئی شامت سوار
یہ ضمانت کرکے داخل بن گئے اُمید وار
چھوڑا پیشہ ' ترک فرمایا جو کچھہ تھا کار بار
کچھہ اثاث البیت بیچا کچھہ لیا سودی اُدھار
مضطرب رہتے تھے یہ نام آوری کے واسطے
گھر سے نکلے ووٹ لینے ممبری کے واسطے
سب سے پہلے ان کو جس ووٹر کے گھر جانا پڑا
شیخ بدھو نام تھا اور تھا جولاھا قوم کا
دھوتی باندھے مرزئی پہنے تنا بیٹھا ہوا
اک سڑا مٹی کا حقا پی رہا تھا کج ادا
جاتے ہی تسلیم کی جب اس کو باصد احترام
منھہ کو ٹیڑھا کر کے بولا '' کو ہے بالیکم سلام ''
کون
بولے یہ پہلے نہ آیا میں ' ہوا اتنا قصور
شیخ بدھو آپ مجھپر رحم فرمائیں حضور

آپ کو والد کہا کرتے تھے بھائی اب سے دور
میں بھتیجا آپ کا ہوں ووٹ لے لونگا ضرور

بولے بدھو کا کہو ہم کہہ کا کہہ کا بوٹ دے ئی
کیا کہا کس کو کس کو ووٹ دیں

بوٹ پھٹے او جو ترتے ہم کا دس کا لوٹ دے ئی
ووٹ پائی گا رہ جلد   ٹوٹ

ساس یہ میلا سپنی ہے نہ جانے کہا بلا
کون والا

اور تم لمبر جو ہوے جھو تو ہمرا پھائدا ؟
ممبر   فائدہ

ہم کبوں تم کا نہ دیکھا اور نہ تمرے باپ کا
کبھی   کو

آؤتے ہی آوت بلایو بس نہک ہم کا چچا
آتے ہی آتے   ناحق

ہوئے کوا ہسیار بڑھو آ تم چلے ہو چوٹ دے ؟
ہشیار   دینے

کان پکڑا ہم نہ جانب اب کہو کا ووٹ دے
کسی کو

ہم یہت نریا پہ اک دن بیٹھ کے سوتا ہوا
اسی   نالی   ذرا

کا کہی ہو جھٹ دے چالان ہمرا ہوئے گوا
سے   ہو گیا

جب کوؤ ممبر نہ آوا اور نہ پوچھس کا ہوا
کوئی   کیا ہوا

ہم کچہری ماں مجسٹر سے ابتداری کیسا
میں   مجسٹریٹ   عذر داری

مقدما جھوٹا ہے صاحب ہم ماں یہہ بوتا نہیں
مقدمہ   قوت

سچ کبہی بھلا مانس پہ کبہو ہوتا نہیں
بھلومانس   کبھی

جب سرّتے دار بولا لا ہوے کونو گواہ
سرشتہ دار کوئی

ہم کہا سسرا جمادروا کہس ہم کا تباہ
جمعدار

ہم جولاہا آپ کے اور آپ تہرے بادساہ

کون کہہ کے سامنے موتت ہے صاحب واہ واہ
کس کے موتتا ہے

ہنس کے کہہ دینس مجھتّر سیکھہ جی جاؤ بری
کہہ دیا شیخ جی

رہ گئی منھہ باے کے سب لمبرن کی لمبری
کہول کے ممبری

سن لیہو ساری کتھا ؟ دے ہو کہ ناہیں یہ بتاؤ ؟

بوت مانگے آئے ہو ہم سے تو ہم کا کچھہ دلاؤ

کے چکن بکراس اب بھیا نہ ہمرا مور کھاؤ
کرچکے سر

کہہ دیا بس کہہ دیا ہم جاؤ چپے گھر کا جاؤ
چپ

جو رکم تم سے کہا سب پیسگی لے لیب ہم
رقم پیشگی لے لینگے

بوت دے موٹر پہ لے جہیو تو ہاں دے دیب ہم
دینگے لے جاؤ گے دیدینگے

جب میاں بدھو کے تیور اس قدر دیکھے کڑے

دھنئے بائیں دیکھہ جھٹ قدموں پہ آکر گر پڑے

دل میں پچھتائے کہ آخر کیوں ہوئے تھے ہم کھڑے

کہنئے ایسے جاہلوں سے کیا کوئی کشتی لڑے

آبرو کے ساتھہ دے کر '' پانچ '' راضی کر لیا

کامیابی پر ہوئے خوش تاؤ موچھوں پر دیا

آگے بڑھکر ایک حضرت کا ہوا پھر سامنا
اُن سے جاکر اس طرح کی عرض باصد التجا
بندہ پرور ایک مذہب ہے ہمارا آپ کا
ووٹ دیجئے گا جو مجھکو آپ خوش ہوگا خدا

ہیں مرے حلقے میں جو جو میرے مذہب کے خلاف
دیکھے ممبر ذرا ہو لوں تو کر دوں سب کو صاف

مہتر اُن کے دریہ جھاڑو دیئے آئے کیا مجال ؟
اور سقا مشک سے نالی دھلائے کیا مجال
ٹھیکس گھروارے کا اُنپر بندھہ نہ جائے کیا مجال
لے لیں بمبا گھر میں یہ مہتر لگائے تھا مجال

ناچ تگنی کا اُنھیں اب میں نچاؤنگا حضور
دیکھئے کس کس طرح اُن کو ستاؤنگا حضور

خوش ہوے سن کر جناب مولوی مکتبی
ہاتھہ پھیرا ریش پر اور اس طرح تقریر کی
آپ اُس کے اہل ہیں میری نظر میں واقعی
ذات سامی کو سمجھتا ہوں میں فخر ممبری

محترم ! میں وعدہ قبل از وقت کرسکتا نہیں
فرض ہے ایفائے وعدہ پھر مکر سکتا نہیں

اس میں اک اشکال شرعی اور بھی ہے کیا کہوں
میں اعانت آپ کی بالفرض قرطاساً کروں
راے تو اپنی ہے کردوں عوض کچھہ بھی نہ لوں
کیوں بھلا ضائع کروں کس واسطے ممبر بنوں

جانتا ہوں یہ بھی میری راے ہے کتنی وقیع
مفت ضائع کیوں کروں جب میں نہیں ہوں مستطیع

حسب خواهش گر بدل مجهکو عطا کردیں جناب
کیا عجب پیش خدا ماجور بهي هوں اور مثاب
میں نے دکھلا دي حدود شرع میں راہ صواب
میرے معروضات کو فرمائے گر مستجاب
رائے دے دینے میں احقر کو تامل کچھه نه هو
خود کروں تعجیل حتماً پهر تساهل کچهه نه هو
رائے دیدوں گا عوض میں آپکو '' خمسین " کے
اتنے هي ملتے هیں مجهکو وعظ کے تلقین کے
حضرت والا تو کچھه پابند هیں آئین کے
اس سے کم دینا مرادف هے مري توهین کے
هاں یه ممکن هے که کچهه تقلیل فرما دیجیے
هے یه کار خیر اب تعجیل فرما دیجئے
خلّص احباب سے کیوں استشارہ کیجئے
راز پوشیدہ رهے کیوں آشکارا کیجئے
سب سے اچھا هے ذرا زحمت گوارا کیجئے
لیجئے تسبیح مجهه سے استخارا کیجئے
عرض کي هے میں نے جو اتني رقم پر دیکھئے
ملع جب آئے تو پهر کچهه اُس سے کم پر دیکھئے
یه نهایت کائیں تهے دل میں بولے سوچ کے
شکل تو اچھي هے پر زیبا نهیں میرے لئے
استخارہ میں کروں کیا آپ کے هوتے هوئے
کرتا هوں نیت تو میں آپ استخارہ دیکھئے
نیت ان کے دل میں تهی تسبیح اُن کے هاتهه میں
چوها اپني گهات میں تها بلی اپني گهات میں

ملتوی آیا استخارہ چھوٹتے ہی پہلی بار
مولوی صاحب کے چہرے پر ہوا کچھ انزجار
پھر جو دیکھا واجب آیا ہو گئے بے اختیار
پوچھا نیت کس قدر پر کی تھی پھر خاکسار
بولے نیت دس پہ کی تھی لیجئے بندہ نواز
کامیابی کی دعا فرمائیے بعد از نماز
اس جگہ سے اٹھ کے گھر پر ایک صاحب کے گئے
دس برس ناکام رہنے پر ہوئے تھے جو بی اے
ریلوے میں تھے ملازم خود بھی تھے چلتے ہوئے
آپ کی تنخواہ تو کم نہایت تھی لیکن بڑے
انگلش اسٹائل پہ رہنے کا جو ان کو شوق تھا
بوٹ بھدی پاؤں کی کالر گلے کا طوق تھا
پھوس کے چھپر میں رہتے تھے یہ اِس سامان سے
اور فرنیچر تو خارج ان کے تھا امکان سے
ٹوٹی پھوٹی کرسیاں لے کر کسی دوکان سے
بیٹھتے تھے اُن پہ چھپر میں نہایت شان سے
نام اک تختی پہ لکھ رکھا تھا یوں پھر وقار
" مسٹر ابراہام " بی اے - ٹی ٹی سی ' اِی آئی آر
دیکھ کر صورت کو ان کی اس طرح کہنے لگے
" آئی ایم ویری بزی میک ہسٹ جلدی بولئے "
پھر ادھر تکنے اُدھر تکنے گھڑی کو دیکھ کے
اپنے کتے سے کہا کم سون " ان سے " گواوے "
پھر کہا یو آر کنڈیڈیٹ بٹ نو بولتے میں
تم تو اپلی ووٹ کیسے دیگا صاحب اولڈ مین !

چونکہ کنڈیکٹر انگریزی سمجھتے ھی نہ تھے
گڑ گڑا کر اس طرح صاحب سے فرمانے لگے
یہ تو ممکن ھي نہیں ھے آپ پیدل جائے
میں نے موٹر مانگ لي ھے آپ ھي کے واسطے
اور کیوں کر اس طرح چلئے گا دیئے مجھکو ووٹ
کیجے پاکٹ بک پہ تاریخ الکشن جلد نوٹ
بات انگریزي نما اردو میں یوں صاحب نے کي
ھم کہا انگلش میں تم سمجھا نہیں ''او آئي سی''
دیکھو اپني ووٹ رکھني مانگتا ھے ھم فری
کس کو دے گا پہلے بتلانے نہیں سکتا کبھي
ھام ستي فادر نہیں تم کو بلانے مانگتا
ھم
ڈیم پھر موٹر پہ ھم کاھے کو جانے مانگتا
ھو کے یہ مایوس جب پلٹے وھاں سے ملنھ بنائے
دل میں کہتے تھے کہ ان کا ووٹ تو جاتا ھے ھائے
سال بھر پہلے بڑے دن میں جو ڈالی دے تو پائے
اب بجز اس کے کوئي صورت نہیں بنتي بنائے
فیس دے کر نرس اک پھر سفارش لاؤنگا
چل گیا چکمہ تو ان سے۔ ووٹ پھر لے جاؤنگا
پھر بڑھے آگے یہاں سے ووٹ کے ارمان میں
گھس پڑے یہ اک بز قصاب کي دوکان میں
نذر میں پڑھکر قصیدہ پہلے اُس کي شان میں
چاھتے تھے یہ کہیں کچھہ شیخ جی کے کان میں
یوں کلوتی کو بدل کر شیخ صاحب نے کہا
سنئے حجرت ھم لگي لپٹي نہیں رکھتے جرا
حضرت ذرا

چودھری نے کل کہا تھا ہم سے اے بھیا سکور

سیکھ مٹّے جسکو کہہ دیں بوٹ دیدیدا جرور
ضرور

پر مداھی کر گئے جب مولبی عبدل گفور

راپھجی کو بوٹ دے سکتے نہیں ہم تو مجبور
رافضی حضور

سنتے ہیں '' کرآن '' میں پھرما گئے تھے کھود رسول
قرآن فرما خود

دین کی جب بات ٹھہری دکھل دیدا ہے پھجول
دخل فضول

حاجی کطب الدین بھی کہتے تھے سچی ہے یہ بات

گھیر مجھہب والے کسو لمبر بنانا باھیات
غیر مذہب ممبر واہیات

سیکھ جی مجھب تمہارا اور اُن کی اور جات
ذات

ھو کے ممبر وہ کھدا جانے کریں کیا واردات
خدا

ھاں کوئی مجھب کا اپنے ھو تو اُس کو بوٹ دو

جب تمھیں موکا ملے ایسوں کو بھیا چوٹ دو
موقع

ان کو بو قصاب نے جب دے دیا سوکھا جواب

یہ اُٹھے دوکان سے مایوس باچشم پُرآب

اپنے ووٹر سے کہا جا کر کہ سنئے دو جناب

آپ ھی تدبیر اب کچھ کیجئے اسکی شتاب

صرف کی پروا نہیں جو ھو مدارات کیجئے

شیخ جی کے ووٹ کو لیکن نہ جانے دیجئے

دل میں ورکر خوش ہوے کہنے لگے باصد سرور
اس طرف سے آپ بالکل مطمئن رہیے حضور
اور لوگوں سے زیادہ صرف تو ہوگا ضرور
تو سہی جب آپ ہی کر ووٹ دیں عبدالشکور
پیر لوٹن شاہ کی خدمت میں جاتا ہوں ابھی
حکم اُن کا شیخ جی کے پاس لاتا ہوں ابھی
پھر لوٹن شاہ تھے اک خاندانی تکیہ‌دار
آنکھ میں سرمہ کئی رتی ' گلے میں چند ہار
ریش اقدس پان کے دھبوں سے رشک لالہ زار
گیروا کرتا گلے میں ہاتھ میں اک پشت خار
زرد تہمد پاؤں میں لکڑی کی اونچی سی کھڑاؤں
گھومتے پھرتے تھے یونہیں شہر شہر اور گاؤں گاؤں
پہونچے ورکر اُن کی خدمت میں بہ تعجیل تمام
دو روپیہ نذرانے کے دے کر کیا جھک کے سلام
عرض کی ہیں آپ تو حاجت روائے خاص و عام
شیخ جی کا ووٹ دلوا دیجئے بس ہے یہ کام
چونکہ ہیں حضرت کی بعیت میں میاں عبدالشکور
آپ فرمادیں اگر تو ووٹ دیدیں گے ضرور
آپ کی دعوت کا کل گھر پر کرونگا انتظام
شیخ جی کو بھی بلالونگا وہیں پر وقت شام
تذکرہ ' میں ووٹ کا چھیڑونگا مابین الطعام
آپ ان کو حکم دیدنگے تو ہو جائیگا کام
بولے لوٹن شاہ بابا خوش رہو " دعوت قبول "
ہم فقیروں کی دعا سے ہوگا سب مطلب حصول

مختصر سے ابتدائی واقعے جو کچھہ لکھے
کیا عجب کافی ہوں یہ پبلک کی عبرت کے لئے
اس طرح کے ووٹر اور ممبر ہوں جب اس قسم کے
کہیے اس میونسپلٹی سے کسے راحت ملے
ساکنان شہر اب ہشیار ہونا چاہئیے
ممبر اور ووٹر کا کچھہ معیار ہونا چاہئیے

منشی سجاد حسین مرحوم کا اودہ پانچ جس زمانے میں اپنے پورے شباب پر تھا اُسی زمانہ میں سید ریاض احمد ریاض (خیرآبادی) کا ریاض الاخبار گورکھپور سے نکل رہا تھا - فتنہ و عطر فتنہ بھی ریاض الاخبار کے ساتھہ نکلا کرتے تھے ' فتنہ اپنے نام کے لحاظ سے فتنہ ہی تھا ' پوسٹ کارڈ سایز سے بڑی کم ' ۱۶ صفحہ کی بساط ہی کیا ہے ' مگر جس شوخی اور جس لطیف طنز کے نمونے اس میں پائے جاتے ہیں ' اُس زمانے کے لحاظ سے اس کی جس قدر بھی داد دی جائے کم ہے ' فتنہ " کل قصیر فتنہ " کا مصداق تھا اور ہر بزم ادب میں نہایت شوق سے پڑھا جاتا تھا ' حضرت ریاض ہی کا شعر ہے :—

فتنہ و عطار
فتنہ اور حضرت
ریاض خیرآبادی

فتنہ کو پوچھتا ہے کوئی کس ادا کے ساتھہ
چھوٹا سا وہ ریاض کا اخبار کیا ہوا

" فتنہ " میں مختصر نثر کے شوخ اور ظریفانہ مضامین ہوتے تھے اور عطر فتنہ میں اُس زمانے کے شعرا کا منتخب کلام شایع ہوتا تھا - حضرت ریاض نے جب ریاض الاخبار حکیم برہم

مرحوم کے سپرد کیا تو اُسی کے ساتھہ فتنہ و عطر فتنہ بھی حکیم صاحب مرحوم کو دیدیا ' حکیم صاحب نے کچھہ دنوں کے بعد ریاض الاخبار بند کر کے '' مشرق '' نکلا اور فتنہ و عطر فتنہ کو چند دنوں تک جاری رکھا ' فتنہ کے خاص لکھنے والوں میں خود حکیم برہم مرحوم ' علي اصغر آزاد چشتي اور ع - ک آزاد مرحوم تھے -- ان مضامین میں زیادہ تر مقامي رنگ اور شباب و لذت نظر کا مظاہرہ ہوتا تھا - مگر لطافت مذاق کا دامن کہیں سے چھٹتا نہ تھا - حضرت ریاض خیرآبادي کي شاعري جس خصوصیت کی حامل ہے اس کي صحیح مثال اگر دیکھنا ہو تو فتنہ و عطر فتنہ کو دیکھنا چاہئے - ان کي شاعري حسن و عشق کی چھیڑ چھاڑ ' رندانہ شوخی ' اور سوسائٹي کي زندہ دلي کا مظاہرہ ہے ' فتنہ و عطر فتنہ کے اوراق بھي پورے پورے طور پر انہیں چیزوں کے حامل تھے ' اپنے اختصار ظاہري اور ہیئت تعویذي کی مناسبت سے فتنہ کے مضامیں بھی فقرے ' جملے اور چٹکلوں سے زیادہ مشابہت رکھتے تھے لیکن اُن میں تیزي اور نشتریت بلا کي تھي ' شاید اس سے زائد تفصیل و طوالت فتنہ و عطر فتنہ کے قد و قامت کو پیش نظر رکھکر ' مناسب نہ ہو ' لیکن اس کے روح رواں حضرت ریاض خیرآبادي کے شوخ و رندانہ کلام کے کچھہ نمونے یہاں پیش کر دینا غالباً بےموقع نہ ہو - حضرت ریاض کي شاعري مجموعي طور پر ایک منفرد حیثیت رکھتي ہے خمریات کے سلسلے میں ان کي شوخي و رندی کی لَے جہاں جہاں ذرا اونچی ہو گئی ہے وہاں طنز و

ظرافت کا بھی بہترین نمونہ بن گئی ہے ۔ اِس طرح کے چند اشعار ملاحظہ ہوں :—

اس طرح کل طرفِ میکدہ جاتے تھے ریاض
ایک عصا تھامے ' عبا پہنے عمامہ باندھے

زمزمی سے جام مے میں کر پڑا پانی سوا
میری قسمت کی جو تھی وہ آج سب پانی ہوئی

بڑے نیک طینت بڑے صاف باطن
ریاض آپ کو کچھ ہمیں جانتے ہیں

تا میکدہ ریاض کا جانا محال تھا
کس طرح یہ بزرگ خمیدہ کمر گئے

سر بزم واعظ سے دہلا پڑا
وہ خُم سے سوا تھا تن و توش میں

ادب سے پی نہیں سکتا ہوں بےاجازت شیخ
ذرا یہ سر جو ہلاوے ابھی سبو آئے

بھچی ڈاڑھی نے آبرو رکھ لی
قرض پی آئے اک دوکان سے آج

اُٹھے کبھی گھبرا کے تو مَیخانہ میں ہو آئے
پی آئے تو پھر بیٹھہ رہے یاد خدا میں

وہ بیٹھے ریاض آج تو کچھہ جھوم رہے ہیں
اب یہ بھي گنے جاتے ہیں مردان خدا میں

عمر بھر ساتھہ فرشتوں کے نباھي کیسي
دیکھنا یہ ہے کہ دیتے ہیں گواھي کیسي

ہماری نظر شیخ پر حشر میں تھی
وہ سر پر لئے حوض کوثر نہ نکلے

یہ کیا مذاق فرشتوں کو آج سوجھا ہے
ہجوم حشر میں لے آئے ہیں پلا کے مجھے

ہمیں جنت کوثر کی دی واعظوں نے
ملے ہم کو پیرِ مغاں کیسے کیسے

گُناہ اور اس پر فرشتے بھي دو دو
مرے سر ہیں بار گراں کیسے کیسے

اٹھے لئے کہ آؤ بھگت میکدے میں ہو
پوچھا جو گھر کسي نے تو کعبہ بتا دیا

کیسے یہ بادہ خوار ہیں سُن سُن کے پی گئے
واعظ کو کچھ مزہ نہ کسی نے چکھا دیا

ہمارا عیب کھلتا ہے نہ کھلتی ہے چھوٹی بوتل
ہمارے کام کیا کیا جامۂ احرام آتا ہے

وہ بوے بخشے گئے ہم بادہ کشوں کے ہمراہ
آج جنت میں ہمیں ناصح مغرور ملے

اُتری ہے آسمان سے جو کل اُٹھا تو لا
طاق حرم سے شیخ وہ بوتل اُٹھا تو لا

دستِ شفقت اس طرح اک رند نے پھیرا ریاض
بیٹھ کر یادِ خدا میں جھومتا جاتا رہا

سلطان حیدر جوش (علیگ) کی طنز میں فلسفیانہ ظرافت اور ظرافت میں فلسفیانہ طنز کا دلنشین عنصر بہت نمایاں ہے - اس قسم کی ظرافت اور طنز کی ابتدا، اردو ادب میں، کسی نہ کسی حد تک، سلطان حیدر صاحب ہی کی جدت طبع کا نتیجہ ہے - جوش غالباً پہلے لکھنے والے ہیں جنہوں نے اردو طنزیات اور مضحکات میں مغربی آب و رنگ پیدا کرنے کی کامیاب کوشش کی - ان کی تحریر میں اسپیکٹیٹر کی نشتریت بھی کہیں کہیں نظر آجاتی ہے کو اسپیکٹیٹر کی رعنائی خیال، پاکیزگی بیان،

ژرف نگاهي ' ایجاز و اختصار اور بے ساختگي کا فقدان بھي ھے - سلطان حیدر کہنہ مشق انشاپرداز ھي نہیں بلکہ پختہ کار شخص بھي ھیں - اُن کے خیالات میں بے ساختگي اور برجستگي کی کمي کو اُن کا عمیق تجربہ اور عمیق‌تر احساس ذمہ‌داري پورا کردیتا ھے - اُن کي تحریر میں غیرذمہ‌دارانہ فقرے بہت کم نظر آئیں گے - یہہ ان کي انشاپردازی کا ممکن ھے کمزور پہلو ھو لیکن ان کي شخصیت کا طرۂ امتیاز یقیناً ھے -

مضامین کا جستہ جستہ نمونہ حسب ذیل ھے :—

'' نئي دنیا نہ کہیں تھہري ھے نہ تھہرے گي - نئي روشني کا انسان نہ کسي حد پر پہونچ کر رکا ھے نہ رکے‌گا ! وہ سب سے پہلے ایک رقیق مادہ کی شکل میں ظاهر هوئي - گردش میں اپني پہلي جگہہ سے شرارہ کي طرح علحدہ هوئي اور کچھہ فاصلہ پر قایم هوکر خود چکرانے لگي - پھر اس سے ایک شرارہ نکل‌کر چاند بنا اور ؟ اور کیا وہ تھلتی هوئی - اس پر هواؤں کے طوفان آئے ' نامتناهی بارش کا سلسلہ جاری هوا - وہ سخت هوئي ' اس پر چھلکا بنا ' دریا پیدا هوئے ' پہاڑ نظر آئے - درخت وجود میں آئے عجیب‌الخلقت مخلوق اس پر حاوی رهی - مگر وہ برابر اپنا روپ بدلتي رهي ' بدل رهي ھے اور بدلتي رهیگي - یعني انسان پروٹوپلازم کـي ترقي‌یافتہ صورت پہلے ایک مادہ تھا ' پھر اُس میں احساس پیدا هوا ' پھر نمو شروع هوئي ' پھر حیوان بنا اور نئي نئي پوشاکیں پہنتا هوا بندر کے تمام مدارج طے کرکے انسانیت میں قدم‌زن هوا اور رهےگا - نہ اُس کو قرار نہ اُس کو چین - یہہ بندر سے انسان بننے والي مخلوق اب انسانیت کے مدارج طے کر رهي ھے اُس کے بعد کوئي نہیں کہہ سکتا کہ ترقي کے زینہ میں کہاں

پہنچے گی ! بہت ممکن ہے کہ وہ بندر جو خوش قسمتی سے اب تک انسان نہیں بنے ہیں ہنستے ہوں اور حضرت انسان کی کشمکش دیکھکر انسانیت کے نام سے کانوں پر ہاتھہ دھرتے ہوں - مگر یہہ ایک فیکٹ ہے اور اس سے انکار خدا کے وجود سے انکار سے زیادہ ناقابل معافی گناہ اور حماقت ہے !

باوا آدم کی اولاد انسان تو ہمیشہ سے انسان ہی ہے - انسان کے علاوہ کسی اور روپ میں نہ وہ کبھی جلوہ‌فگن ہوا اور نہ آئیندہ ہونے کی اُمید رکھتا ہے !

انسانیت کے دائرہ سے اس نے نہ کبھی قدم باہر رکھا نہ رکھے گا ! اس لئے وہ ایک خاص حد پر پہونچ کر قانع ہو جاتا ہے ' رک جاتا ہے اور اپنے مذہب یا عقیدہ کو اپنی زندگی کے لئے بلکہ ہر ایک آنے والی نسل کی زندگی کے لئے کافی مان لیتا ہے - اس کا خاص خیالات سے تجاوز نہ کرنا کچھہ بھی تعجب نہیں - مذہب اس کو مانع ' خدا اس کو مانع ' لہذا وہ اپنے عقیدہ کے موافق جائز حدود سے تجاوز کبھی کسی زمانہ میں نہیں کرسکتا !

مگر پروٹوپلازم سے بندر اور بندر سے انسان بننے والا ' بلکہ انسانیت سے گذر کر خدا جانے اور کیا کچھہ بننے کے لئے تیار انسان نہ کہیں ٹھہرا ہے نہ ٹھہرنا چاہتا ہے ' نہ ٹھہرے گا - ترقی ایک لامحدود چیز ہے اور زمانہ برابر بڑھنے جانے والی شے - خیالات تبدیل ہونے والی چیز اور تہذیب زمانہ کے موافق متقلب ! لہذا نئی روشنی کے انسانوں کے لئے کوئی روک نہیں ! یہ امید رکھنا کہ بغیر کسی عقیدہ مذہبی کے وہ خود بخود تہذیب کی حد سے نہ گذرے گا '' اسی قدر لغو ہے جس قدر کہ مہمل........"

'' سنسر ''

''.........کل کے برخوردار آج کے پدر بزرگوار ہیں ! ہر چیز ترقی کے رنگ میں کینچلی اُتارتے رہنے کی عادی ہے سنسر کی شخصیت نے بھی زمانہ کے قدم بقدم چل کر حسب حاجت ہمیشہ نئے قالب اختیار کئے ہیں ! جس وقت سے اسکول اور نئی یونیورسٹی نے جنم لیا ' سنسر کی ذات نے بھی اس دائرہ میں شکل ممتحن میں جلوہ فرمایا ۔ جس قدر تعلیم کی تیز روشنی کے ساتھہ طلبا کی تعداد بڑھتی گئی اِسی نسبت سے جزو سنسری ممتحن کی ذات و صفات پر غالب آتا گیا ۔ چنانچہ فی زمانہ اگر تعلیم اس حد پر پہنچ گئی ہے کہ قلی بھی انٹرنس پاس سے کم نہیں لیا جاتا ' تو ممتحن کا فعل قطع و برید بھی اس درجہ بڑھ گیا ہے کہ اگر سو لڑکے اِنٹرنس میں شامل ہوں تو ام اے پاس کرنے تک بلا مبالغہ صرف ایک ذات واحد رہ جائیگی اور اگر اس سے آگے قدم.........بڑھایا گیا تو شاید سنسر تعلیم کی جوع قطع و برید کو سیر کرنے کے لئے فردوس بریں کے رہنے والے تعداد کو پورا کرنے کی خاطر طبقۂ اسفل کی طرف تشریف لیجاکر شریک امتحان ہونگے !

''.........ہر چیز کے لئے ایک خاص حد مقرر ہے اور جب کوئی چیز اپنی حد مقررہ سے متجاوز ہو جاتی ہے تو سنسر کی ذات قاطع ' موزوں شکل میں جلوہ گر ہو کر ضروری اصلاح کا فرض پورا کر دیتی ہے - انسانی آبادی ہمیشہ رو بترقی ہے اس لئے جب کبھی اور جہاں کبھی یہ آبادی مردم‌شماری کے معین حدود سے بڑھ جاتی ہے فوراً حسب

رفتار ترقی اس کی قطع و برید ہو جاتی ہے! " حسب رفتار ترقی " سے یہ مطلب ہے کہ جس حصہ ملک میں دو افراد انسانی کی باہمی کوشش سال بھر میں صرف ایک تیسرے وجود کو پیدا کر سکے وہاں سنسر کی روح محض وبائی موسمی رنگ میں تھوڑے سے اجسام کا قلع و قمع کرکے اعداد کی اصلاح کر دیتی ہے اور جس طبقہ مردم‌خیز میں ایک اور ایک ملکر گیارہ ہو جاتے ہوں وہاں سنسر کی ذات بھی جنگ تباہ‌کن کی شکل میں بلائے آسمانی کی طرح نازل ہو کر درجن کے درجن لمحوں میں فنافی‌الحرب کر ڈالتی ہے......"

شوکت تھانوی اور ملا رموزی کا انداز تحریر تقریباً ملتا جلتا ہے - یہاں ملا رموزی کے اس رنگ سے بحث نہیں ہے جو انھوں نے ابتدا میں گلابی اُردو کے تحت میں اختیار کر رکھا تھا - گلابی اُردو کی تشریح نازش رضوی صاحب نے یوں کی ہے :

" گلابی اُردو میں ملا رموزی صاحب نے مشہور فارسی ' عربی ضرب‌الامثال ' اشعار اور مقولوں کے اُردو ترجمہ میں اپنی اجتہاد و تصرف سے جو ندرت و شگفتگی پیدا کی ہے وہ ادبیات اُردو میں زعفران‌زار کی حیثیت حاصل کر چکی ہے - "

ملا رموزی نے وہ رنگ اب تقریباً ترک کر دیا ہے - ان کا موجودہ انداز تحریر اور موضوع ایک حد تک عام‌پسند اور عوام‌پسند دونوں ہے - شوکت تھانوی کے مضامین کا اُٹھان اور لب و لہجہ بھی ملا رموزی کی طرح قطعاً بازاری تو نہیں لیکن " روزمرہ " ضرور ہے - جزئیات کے دونوں امام ہیں -

خوب سوجھتی ہے لیکن کہنے کا انداز بسا اوقات ضرورت سے زیادہ عُریاں اور بے جھجک ہوتا ہے - ملا رموزی کی اُردو میں شگفتگی اور برجستگی بھی ہے ' شوکت تھانوی کی تحریر سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ صحیح اُردو لکھہ ضرور لیتے ہیں لیکن ایسا کرنے میں اُن کو کوشش بھی کرنی پڑتی ہے - یوں سمجھہ لیجئے رموزی لکھتے ہیں اور چھپوا دیتے ہیں ' تھانوی سوچتے ہیں ' لکھتے ہیں ' مسودہ صاف کرتے ہیں اس کے بعد چھپواتے ہیں -

شوکت میں '' شگفتگی '' ضرور ہے لیکن ابھی '' شگفتہ نگاری '' پر پوری قدرت حاصل نہیں ہوئی ہے - اس کا سبب ممکن ہے یہ ہو کہ انھوں نے مطالعہ پر کافی وقت نہیں صرف کیا ہے ' لکھنا بغیر پڑھنے کے نہیں آتا ' اور پڑھنا بغیر لکھنے کے بےکار ہے - ملا رموزی کی تحریر میں اتنی پختگی ہے کہ آئندہ اس میں اصلاح یا ترقی کی گنجائش نہیں معلوم ہوتی ' شوکت میں ابھی ترقی کے آثار پائے جاتے ہیں - یہی نہیں ' اگر وہ ترقی کی کوشش نہیں کریںگے تو بہت ممکن ہے ان کی شخصیت اور انشاپردازی دونوں خطرہ میں پڑ جائیں - ان کو ابھی سے خرمن جمع کرنے کی فکر دامنگیر معلوم ہوتی ہے حالانکہ ابھی اُن کی کھیتی لہلہانے بھی شروع نہیں ہوئی ہے -

شوکت تھانوی کے بعض مضامین کا مختصر نمونہ پیش کیا جاتا ہے -

''.........اس وقت تمام مہذب اقوام کا یہ حال ہے کہ وہ اپنے کو مہذب ثابت کرنے کے لئے کتا ضرور ہمراہ رکھتی ہیں - کوئی جنٹلمین بغیر کتے کے کبھی مکمل جنٹلمین نہیں ہو سکتا - کوئی لیڈی بغیر کتا بغل میں دبائے کبھی لیڈی

نہیں ہوسکتی ، کوئی موٹر بغیر کتے کے موٹر نہیں ہوتا اور کوئی مکان بغیر کتے کے دولت‌خانہ نہیں ہوتا -

ہندوستانیوں کی جہالت پر تو خیر رونا آتا ہے لیکن یورپ اور امریکہ کی تہذیب ملاحظہ فرمائیے کہ وہاں ہر معزز آدمی کی شناخت صرف یہ ہے کہ اُس کے سر پر ، گود میں ، آگے پیچھے ، اِدھر یا اُدھر ایک ہانپتا ہوا زبان نکالے دُم ہلاتا ہوا کتا ضرور ہو اور اگر کسی مغربی آدمی کے ساتھ کتا نہ ہو تو اس کے متعلق یہ بھی شبہہ کیا جا سکتا ہے کہ آیا وہ آدمی بھی ہے یا نہیں اور اگر آدمی ہے تو یوں ہی سا ہے - مغربی خواتین کا یہ حال ہے کہ بغیر کتے کے ان کو لطف زندگی ہی نہیں حاصل ہوتا - جب تک ان کے نرم اور معطر آغوش میں ایک پلّا نہ دبا ہو وہ اپنے عدم اور وجود کو یکساں سمجھتی ہیں اور اگر پلّا دبا ہوا ہے تو اُس سے ایسی محبت کرتی ہیں کہ انسان اس پر رشک کرے - اُسے اس طرح چومتی چاٹتی اور دبوچتی ہیں کہ ان کے عشاق کتا بن کر نہ پیدا ہونے پر فطرت سے شاکی ہو جاتے ہیں یا کتا بن جانے کے لئے دست بدعا ہو جاتے ہیں ورنہ یہ بات تو اکثر دیکھنے میں آئی ہے کہ محبوبہ کے کتے کو موقع پاکر محبت سے اٹھا لیا ایک قسم کی " تقریب کچھ تو بہر ملاقات چاہئے " ہوا کرتی ہے........

قدر سگ انگریز داند یا بداند اس کی میم "

"......اس دبے میں بیٹھنے کو تو بیٹھ گئے لیکن دل بار بار یہی چاہتا تھا کہ کسی طرح سر کی ترکی ٹوپی ہیٹ بنجائے اور شیروانی ایک ایسا کوٹ جو پاجامے کو بھی پتلون

بتادیا کرتا ہے اس لئے کہ اس جسارت کے بعد یہ خوف تو بہرحال دل میں موجود تھا کہ کہیں اس تھرڈ کلاس کی جنت سے ہم کو ابن آدم سمجھکر نکال ندیا جائے یہ تو بہت آسان تھا کہ ہم وقتی طور پر بجائے مسلمان ہونے کے عیسائی بن جاتے لیکن اس لباس کا کوئی علاج ہمارے ذہن میں نہ تھا جو کبھی مذہب نہیں تبدیل کرتا - ہمارا خوف بیجا نہ تھا اور بیجا کس طرح ہوتا جب کہ ہم خود حق بجانب نہ تھے - نہ تو ہم اینگلو انڈین تھے نہ صرف ' انگلو ' بلکہ محض " انڈین " تھے لہذا حق بجانب بھی نہیں ہو سکتے تھے - تھوڑی دیر کے بعد گارڈ نے ہم کو نکل جانے کا حکم دیا جس کو ہم نے اس طرح سنا گویا سمجھے نہیں اور وہ سمجھا کہ ہم سمجھہ گئے - مگر گاڑی کی روانگی سے دو منٹ قبل ہم کو پھر اردو زبان میں نکل جانے کے متعلق سمجھایا گیا جس کو ہم نے سمجھنے کی کوشش نہیں کی - گارڈ صاحب نے بہت سے " کریو میں " ہم پر تعینات کئے کہ وہ ہم کو نکال دیں لیکن ہم نے اسمبلی کے تمام واقعات پر روشنی ڈالتے ہوئے ایسی مدلل بحث کی کہ گاڑی نے سیٹی دیدی - اس آخری وقت میں گارڈ صاحب کے دل میں تو نہیں معلوم کہ کونسا انتقامی جذبہ پیدا ہوا ہوگا لیکن انہوں نے کیا صرف وہ جو ہم لوگ خود اپنے بچپن میں کیا کرتے تھے یعنی ڈبہ میں داخل ہو کر روشنی گل کردی . . . . میرے منھہ سے نکل گیا -

تو مشق ناز کر سارا اندھیرا میرے ڈبے میں -

اپنے بچے اور غالباً دوسروں کے والدین کو شاہکار کا مفہوم تلقین فرماتے ہیں -

" آج کا موضوع شاہکار ہے - یہ ایک لفظ ہے جس کو تم انسانی نام سمجھے - یہ کسی انسان جانور جگہ یا چیز کا نام نہیں ہے - بلکہ ایک لفظ ہے جسکو انگریزی میں " ماسٹر پیس " Master piece کہتے ہیں اور جس کا تھوڑا بہت مفہوم لفظ ' کارنامہ ' سے ادا ہوتا ہے اس لفظ کے معنی ہیں کاموں کا بادشاہ اس لئے کہ " کار " کہتے ہیں کام کو اور اگر " کار " کے معنی موٹرکار لئے جائیں تو شاہکار کے معنی ہونگے " مسٹر فورڈ " لیکن چونکہ یہاں اُردو زبان کے لفظ کار سے بحث ہے لہذا اس کار کے معنی ہیں کام اور جب اس میں شاہ لگا دیا گیا تو یہ ہو گیا شاہ کام یعنی کاموں کا شاہ - اس کو اس طرح سمجھو کہ مثلاً تم نے اپنی مختصر زندگی میں سب سے بڑا کام یہ کیا ہے کہ اپنی ہوائی بندوق سے فاختہ مار ڈالی - اس فاختہ کے شکار کو تم اپنا شاہکار کہہ سکتے ہو - اسی طرح میرے شاہکار تم خود ہو ' مہاتما گاندھی کا شاہکار چرخہ ہے - مولانا محمد علی کے شاہکار مولانا شوکت علی ہیں ' انگریزوں کا شاہکار کنگ پرائمر ہے ' ہندوستان کا شاہکار تاج محل ہے ' تاج محل کا شاہکار مولانا سیماب ہیں مولانا سیماب کے شاہکار ساغر نظامی یاراز چاند پوری ہیں......... "

مرزا عظیم بیگ چغتائی بحیثیت ایک ظرافت نگار کے اردو ادب میں " نوخیز " ہیں - یہاں اُن کے مصنف ہونے کی حیثیت معرض بحث میں نہیں ہے - اس کا اعتراف نہایت بلند آہنگی کے ساتھ انہوں نے خود کیا ہے جس کی داد نہ دینا کم ظرفی ہوتی ہے اور بدمذاقی بھی ' مثلاً فرماتے ہیں '

"میں نے بہت سي کتابیں لکھي ھیں ۔ مصنف ھونا میرے لئے کوئي نئي بات نہیں جب نویں جماعت میں تھا تو " قصر صحرا " لکھي جب انٹرنس پاس کیا تو قصر صحرا کا حصہ دویم لکھا اور جب بي اے میں آیا تو موجودہ پردہ کي بدعت کے خلاف پبلک کے سامنے " قران اور پردہ " کو پیش کیا........مجھے کچھہ اپنے طرز تحریر اور زبان کے بارہ میں بھي کہنا ھے -- میرے تمام افسانے اوریجنل ھیں ' واقعات سے پُر ' بحمد اللہ میرے تمام افسانوں کے ھیرو بقیدحیات ھیں ' تمامتر افسانوں کے پلاٹ میں نے واقعات اور اپني معاشرت سے لئے ھیں اور کسی افسانہ میں افسوس کہ میں مشہور یوروپین یا امریکن افسانہ سے کچھہ بھی نہیں لے سکا........"

مرزا چغتائي نے مذاقیہ مضامین لکھنا نسبتاً حال ھي میں شروع کیا ھے اور یہ کہنے میں بمشکل کسی کو تامل ھوگا کہ اپنے انداز میں وہ قطعاً منفرد اور قطعاً کامیاب ھیں ' ان کا یہ ادعا کہ " تمامتر افسانوں کے پلاٹ میں نے واقعات اور اپني معاشرت سے لئے ھیں " جتنا صحیح ھے اتناھي مبارک اور مستحسن ھے ' اور یہی سبب ھے کہ ان کي تحریر میں ان کي شخصیت اور انفرادیت بدرجہ اتم نمایاں ھے - " واقعات " اور " معاشرت " کا سہل ' سادہ اور دلچسپ رنگ ان کی تحریر اور طرز تحریر دونوں پر چھایا ھوا ھے. ان کي تحریر سادہ ھے لیکن " سپاٹ " یا بے رنگ نہیں ' یہ ان کے خلوص اور " ھمدردي " کا ثبوت ھے اور ثبوت ھي نہیں بلکہ فیضان بھي - ان کی تحریر میں کہیں زھرناکي یا کینگي نہیں پائي

جاتي ' ھمیشہ نہیں تو کبھي کبھي یہي زھرناکي اور ایلگي ' کمیلگي یا کم ظرفي میں تبدیل ھوجاتي ھے ' طنز یا ظرافت بڑی خطر ناک سر زمین ھے ذرا لغزش ھوئي اور لکھنے والا کہیں کا نہ رھا -

مرزا چغتائی کي رگ و پے میں مشرق اور مشرقیت سرایت کئے ھوئے ھے ' ان کو اردو لکھنے پر کافي قدرت ھے - اپنی ان دونوں حیثیتوں پر وہ کبھي ظلم نہیں کرتے اور یہي سبب ھے کہ ان کے الفاظ اور مفہوم دونوں میں بے ساختگي اور شگفتگي ھوتي ھے - اس بے ساختگي اور شگفتگی میں ایک خفیف سي جھلک " قلندرانہ پن " کي بھي ھے جس کو حسن یا قبح دونوں سے تعبیر کر سکتے ھیں لیکن امید ھے کہ سن و سال کا بار حشو و زوائد کو زائل کردے گا اور یہ دیوار قہقہہ کبھي نہ کبھي تاج محل بنکر رھیگی - بشر طیکہ آئندہ وہ خود اپني تصانیف کا مقدمہ نہ لکھا کریں جس کا حوالہ ابتدا میں دیا گیا ھے !! امید ھے کہ رسالوں کے مختلف اور بے شمار اڈیٹر صاحبان بھی ان پر رحم فرمائیں گے کیونکہ مرزا صاحب کي مروت ان کو " بسیار نویسي " پر مجبور کرتي ھے اور بسیار نویسی کا دوسرا نام کم سے کم صحیفہ ظرافت میں لغویت بھي ھے !!

بعض نمونے حسب ذیل ھیں -

الشذري :-

"..........حج سے پہلے وہ چودھري صاحب تھے اور حج کے بعد الحاج الشذري الھندي.........ان کي تمام کوششیں اپنے کو عرب بنانے میں بالکل اسی طرح ضائع جاتي نہیں جس طرح بعض دیسي عیسائي کوٹ پتلون پہنکر غلط اُردو دیدہ

دانستہ بولتے ہیں اور غلط انگریزی مجبوراً اور تہ پر تہ سفید پاؤڈر کی لگاتے ہیں مگر حقیقت نہیں چھپتی اور بعینہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس کمرہ میں قلعی ہوتی ہے اسمیں کسی زمانہ میں ضرور باورچی خانہ تھا نہ یورپین انٹر میں بیٹھنے سے کام چلتا ہے اور نہ یورپین نرخ پر چائے خریدنے سے - غرض یہی حالت چودھری صاحب کی تھی کہ عرب بننے کی تمام کوششیں رائگاں جاتی تھیں.........بھائی شفری نے کہا "ارے میاں عربی بولنا اور سمجھنا اسقدر آسان ہے کہ ہر وہ شخص جو ہماری تمہاری طرح اُردو جانتا ہے اور فارسی میں قدرے دخل رکھتا ہے بڑی آسانی سے عربی بول اور سمجھ سکتا ہے ....کچھہ نہیں صرف معمولی اُردو میں مِثلَ - وَلَ - آل - کُم - وغیرہ لگاؤ بس عربی ہوگئی.........."

عراق میں ایک ناؤ ایسی بھی ہوتی ہے جیسے گول پیالہ - خوش قسمتی سے ایسی ہی ناؤ ملی - میں تو چپ کھڑا رہا اور چودھری صاحب نے ہندوستانی عربی یا بالفاظ دیگر عراقی اُردو میں ملاح سے بات چیت شروع کردی - خدا معلوم اُنہوں نے کیا کہا اور ملاح نے کیا سمجھا - مگر نتیجہ اس گفت و شنید کا یہ ہوا کہ ہم دونوں ناؤ میں بیٹھہ گئے اور دریا کی سیر ہونے لگی - اس ناؤ کی تعریف کے چودھری صاحب نے پل باندھ دئیے ' کہنے لگے کہ اس ناؤ میں ایک خاص بات یہ ہے کہ گرداب میں پڑکر بھی نہیں ڈوبتی - میں نے تعجب ظاہر کیا تو اُنہوں نے کہا دیکھو ابھی اسے گرداب میں لے چلیں گے تاکہ تم خود دیکھہ لو میں نے کہا خدا کے واسطے رحم کیجئے - مجھکو ذرہ بھر شک نہیں آپ

سچ کہتے ہیں اور مجھکو تسلیم ہے کہ یہ کمبخت ناؤ حضرت نوح کی کشتی کا مقابلہ کرلے گی مگر وہ نہ مانے پر نہ مانے بیچ دریا کے بہاؤ سے ذرا ہٹ کر بڑے زور شور سے بھنور پڑ رہا تھا جسکو دیکھنے سے ڈر لگتا تھا - چودھری صاحب ملاح سے غلط سلط عراقی اُردو بول رہے تھے - چونکہ لفظ عمیق جانتے تھے - لہذا تمام تر دریا کی گہرائی پر گفتگو ہو رہی تھی - اب ملاح سے اُنھوں نے اس خوفناک بھنور کی طرف انگلی اُٹھا کر کہا "غریق کشتی من الگرداب" لفظ گرداب پر انگلی سے بھنور کی شکل بنائی اور بھنور میں ناؤ لے چلنے کا اشارہ کیا - میں نے کہا خدا کے واسطے میرے اوپر رحم کرو مگر وہ میری سنتے ہی نہ تھے "ٹھہرو جی" کہکر انھوں نے میرا ہاتھ جھٹک دیا - ملاح نے نہ معلوم انسے کیا کہا جسکو یہ قطعی نہ سمجھے ہونگے - مگر بات چیت بھلا کیسے رک سکتی، عربی میں فارسی اور انگریزی تمام الفاظ بولتے چلے جاتے خواہ کوئی سمجھے یا نہ سمجھے اُنکی بلا سے - نتیجہ یہ نکلا کہ میں چیختا پیٹتا رہ گیا اور ملاح نے تیزی سے کشتی لے جا کر گرداب میں ڈالدی .... اب چودھری صاحب کو بھی چکّر آئے .... میں تو سر پکڑ کر بیٹھ گیا اور زور سے چلایا کہ خدا کے واسطے ناؤ روکو چودھری صاحب اس خیال میں تھے کہ جب جی چاہے گا رکوا لیں گے - چنانچہ اب اُنھوں نے خود ڈگمگاتے ہوئے، ملاح سے کہا "ایہاالشیخ شدۃالدن الرقص - اخرج علی الگرداب" بانگڑو ملاح واللہ اعلم سمجھتا بھی ہوگا یا نہیں کہ فارسی میں بھنور کو گرداب کہتے ہیں اور پھر الشدری اور خود اسکے

عربی کپڑوں کي پھڑ پھڑاهت اور دریا کا شور اور پھر لٹو کي طرف ناؤ کي گردش سمجھنا تو درکنار نه معلوم ملاح نے سنا بھي که نهیں - اس نے نه سنا اور نه سمجھا اور نه سننے یا سمجھنے کی کوشش کي اور الله کا نام لے کر دانتوں سے اپنے هونٹ دبا کر "یاغ" کهه کر زور سے پتوار پاني میں ڈالکر ناؤ کو اور بھي گھن چکر کر دیا .... میں سجده میں پڑا بجائے سبحان ربي الاعلي کے چلّا رها تھا خدا کے واسطے نکا لو ادھر اب الشذري بو کھلا کر چلائے "شدةالسن الرقاصه ابے ایها الشیخ" - "خدا کے واسطے اخرج من الگرداب - ارے مرا" میں پھر چلایا "هاے مرا" اُدھر اس ناهنجار ملاح نے ایک مرتبه اور پانی میں پتوار ڈالکر زور سے چکر کي تیزی میں اضافه کر دیا .... چودھری صاحب نے اب وهاں دهائی تهائي دینا شروع کردی اور میں پڑے پڑے ان کوششوں کي داد دے رها تھا وه چلا رهے تھے "ابے نالائق شیخ برحمتک .... کم بخت اشدةالسن الرقص .... ارے اخرج .... من الگرداب ارے موذي ناؤ نکال" چکراکر وه پھر میرے اوپر گرے میں نے آنکھه کھولکر دیکھا - ساري دنیا گھوم رهي تھي - چودھری صاحب نے پھر دھاڑ کر کہا "ایها الشیخ .... ابے الو......... ابن الالو والخنزیر .... قسم خدا کي........... والله .... ارے بھڈي شیخ ارے اشدةالسن الرقص.........ارے مرے......... ابے روک .... روک .... ارے نکال .... یا الله .... ابے ایها الشیخ من الموذي اخرج من الماؤگرداب .... نالائق .... بدمعاش .... والله بھڈي شیخ .... مگر توبه کیجئے بھلا ان باتوں سے کهیں ناؤ رکنے والي تھي !

سر پٹک پٹک ہم دونوں بیہوش ہوگئے -

نہ معلوم کتنے دیر بعد آنکھ کھلی تو اپنے آپ کو دریا کے کنارے بےبس پایا - مارے درد کے سر پھٹا جا رہا تھا ' نہ طاقت رفتار تھی نہ طاقت گفتار.........بھائی شذری نہ معلوم کس طرح اُٹھ کر کھڑے ہوئے کہ چاروں شانے چت گرے اور اِدھر وہ نابکار ملاح مفلس رہا تھا اور اپنی مزدوری کا طالب تھا .... جب ایک فارسی داں حضرت کا اُدھر سے گذر ہوا تو معاملہ صاف ہوا - ادھر الشذری نے ملاح کی شکایت کی کہ ہم دونوں کو اسنے ناؤ میں چرخ دے کر ادھمرا کر دیا اور پھر مزدوری مانگتا ہے ' اُدھر ملاح نے کہا کہ " ایسے لوگ بھی کم دیکھنے میں آئے ہونگے کہ مارے چکر کے مرے جا رہے تھے مگر بار بار یہی کہتے تھے کہ ناؤ کو شدت کے ساتھ رقص کراؤ ' میرا خود سر چکرا گیا اور دگنی مزدوری واجب ہے "

" ارے کمبخت چودھری " میں نے مری ہوئی آواز میں کہا یہ " تمہاری عربی میری جان لے گی یاد رکھو اگر میں مر گیا تو یہ خون تمہاری گردن پر ہوگا '

" شاطر کی بیوی "

" ... . آپ بھی عجیب آدمی ہیں " خاں صاحب نے چیں بہ جبیں ہوکر کہا ' آپ شطرنج نہیں کھیل سکتے .... لکھ لیجئے کہ آپ کی " گھر میں " آپ کا شطرنج کھیلنا موقوف کرادیں گی .... آپ نہیں کھیل سکتے "

" یہ آخر کیوں ؟ "

" خاں صاحب بولے " لکھہ لیجئے .... بندہ خاں کی بات یاد رکھئے گا لکھہ لیجئے "

" آخر کیوں لکھہ لوں ؟ کوئی وجہ ؟ "

" وجہ یہ " خاں صاحب نے اپنے داھنے ھاتھہ کی مٹھی زور سے بائیں ھاتھہ کی ھتھیلی پر مار کر کہا " وجہ یہ کہ معاف کیجئے گا - آپ زن مرید ھیں .... زن مرید ادھر وہ جائیں گی اور ادھر آپ .... " (انگلی گھما کر نقل بتاتے ھوئے خاں صاحب نے کہا) ھائے جورو ! ھائے جورو ! ...... ایسے کہیں شطرنج کھیلی جاتی ھے ! لاحول ولاقوۃ "

میں نے طے کر لیا کہ خانم سے اس باب میں قطعی سخت لڑائی ھوگی ' میں نہیں دبوں گا - یہ میرا شوق ھے شوق ' انہیں ماننا پڑے گا -

---

" تین چار روز تک خانم سے سخت ترین جنگ رھی یعنی خاموش جنگ اُدھر وہ چُپ ادھر میں چُپ - خانم کی مددگار استانی جی اور میرے مددگار خاں صاحب ' پانچویں دن یہ شطرنج دوبھر معلوم ھونے لگی - میری سپاہ کمزوری دکھا رھی تھی - جی تھا کہ اُلٹا آتا تھا خاموش جنگ سے خدا محفوظ رکھے ' ایسا معلوم ھوتا تھا کہ جیسے گیس کی لڑائی ھو رھی ھے ' غنیم کا گیس دم گھوٹے دیتا تھا - خاں صاحب طرح طرح کے حملے تجویز کرتے تھے مگر جناب اس گیس کی لڑائی میں کوئی تدبیر نہ چلتی تھی خاں صاحب ماھر فنون جنگ تھے مگر جرمن گیس کا جواب توپ اور بندوق نہیں دیسکتی - یہ انہیں معلوم نہ تھا وجہ یہ ھے کہ

وہ پرانے زمانہ کی لڑائیاں لڑے ہوئے بیچارے کیا جانیں کہ خاموشی کا گیس کیا بلا ہوتی ھے - میری کمزوری پر دانت پیستے تھے کہتے تھے ' " نہ ہوا میں .... دکھا دیتا ! "

" خاں صاحب اول تو خود جنگی آدمی اور پھر جنرل بھی اچھے - مگر جناب جب سپاہی ہمت ہار جائے تو جنرل کیا کرے - چھہ دن گذر گئے اور اب میں جنگ مغلوبہ لڑ رہا تھا -

بہت کوشش کی بہت ہمت کی مگر ہار ہی گیا - شرائط صلح بھی بہت خراب تھیں - شاید معاہدۂ ورسلیز جس طرح ترکوں کے لئے ناقابل پذیرائی تھا اسی طرح میرے لئے بھی مگر بقول کسے بزور شمشیر و بندوق سنگین مجھکو مجبوراً صلحنامہ پر دستخط کرنا پڑے اور صلحنامہ کی سخت شرائط ذرا ملاحظہ ہوں -

(۱) خاں صاحب سے تمام تعلقات دوستی منقطع کر دونگا وہ گھر پر آئینگے تو کہلوا دونگا کہ نہیں ہوں - ویسے حصہ وغیرہ ان کے ہاں جائیگا اور آئے گا '

(۲) شطرنج کھیلنا بالکل بند - اب کبھی شطرنج نہیں کھیلونگا - خصوصاً رات کو تو کھیلونگا ہی نہیں -

(۳) شطرنج کے علاوہ تاش بھی نہیں کھیلونگا سوائے اتوار کے - رات کو وہ بھی نہیں -

(۴) رات کو دیر کر کے آنا شطرنج کھیلنے رہ جانے کے برابر متصور ہوگا کوئی ثبوت لئے بغیر تصور کر لیا جائیگا کہ شطرنج کھیلی گئی کوئی عذر تسلیم نہ کیا جائیگا -

پانچویں اور چھٹی شرط میں خود بیان کرنا پسند نہیں کرتا ۔ ساتویں شرط یہ تھی کہ اگر اس معاہدہ کی پابندی نہ کی گئی تو "تم اپنے گھر خوش ہم اپنے گھر خوش"

خاں صاحب سے میں نے اپنی شکست اور شرائط صلح کا ذکر صاف صاف تو نہیں کیا مگر اتنا ضرور تسلیم کیا کہ مہرے برابر استانی جی کے لڑکے سے چروائے جاتے رہے ۔ پھر صلح کا ذکر کیا ۔ خاں صاحب تجربہ‌کار آدمی تھے ۔ دانت نکالکر انھوں نے ران پر ہاتھ مار کر پہلے دنیا بھر کی لڑاکا بیویوں کو گالیاں دیں اور پھر کہا "میاں لمڈے ہو ، مجھ سے باتیں بنانے آئے ہو ، بیوی کی جوتیاں کھا رہے ہو - .... شطرنج کھیلیں گے ... . یہ شطرنج ہے ! ہونہہ .... سر پکڑ کر روؤگے .... گھر والی کو اتنا سر پر نہیں چڑھاتے .... تو جانو تمہارا کام .... جب کبھی ملاقات ہوئی علیک سلیک کر لی بس لکھ لو ...."

خاں صاحب کی گفتگو سے کچھ پھریری سی آئی - گھر میں آیا تو خانم کو پھول کی طرح کھلا ہوا پایا ، لاحول ولاقوۃ !

---

۵ پطرس ؛ (اے اس بخاری) -

پطرس اور "پطرس کے مضامین" دونوں کا تعارف کتاب کے دیباچہ سے ہو جاتا ہے -

"اگر یہ کتاب آپ کو کسی نے مفت بھیجی ہے تو مجھ پر احسان کیا ہے ، اگر آپ نے کہیں سے چرایا ہے تو میں آپ کے ذوق کی داد دیتا ہوں ، اپنے پیسوں سے خریدی ہے تو مجھے آپ سے ہمدردی ہے اب بہتر یہی ہے کہ آپ اس کتاب کو اچھا سمجھکر اپنی حماقت کو حق بجانب ثابت کریں -

ان مضامین کے افراد سب خیالی ھیں حتی کہ جن کے لئے وقتاً فوقتاً واحد متکلم کا صیغہ استعمال کیا گیا ھے - وہ بھي ھر چند کہیں کہ ھیں نہیں ھے آپ تو اس نکتے کو اچھي طرح سمجھتے ھیں لیکن کئي پڑھنے والے ایسے بھي ھیں جنھوں نے اس سے پہلے کوئي کتاب نہیں پڑھي - اُن کي غلط فہمي اگر دور ھو جائے تو کیا ھرج ھے -

جو صاحب اس کتاب کو کسي غیر ملکي زبان میں ترجمہ کرنا چاھیں وہ پہلے اُس ملک کے لوگوں سے اجازت حاصل کریں ''

یہ دیباچہ نہیں غزل ھے اور جو شخص ایسي غزل لکھہ سکتا ھے اس کے سارے قصور معاف کئے جا سکتے ھیں خواہ وہ غلط اُردو ھی لکھتا کیوں نہ ھو !

پطرس بالعموم غلط اُردو نہیں لکھتے خاص خاص مقامات پر اُن کو متشابہ ضرور لگتا ھے جہاں کے اُردو کو مقامي رنگ دے جاتے ھیں ۔ اُن کي اُردو اکتسابي ضرور ھے لیکن ظرافت قطعاً وھي ھے - پنجاب میں اچھي اور صحیح اُردو لکھنے والے سر عبدالقادر سر اقبال اور ظفر علي خاں ھیں پطرس اچھي اُردو اب بھي لکھہ لیتے ھیں اور یقین ھے کہ سر بننے یا جیلخانہ جانے سے پہلے وہ صحیح اُردو بھی لکھنے لگیں گے !

پطرس کی ظرافت کا آرٹ الفاظ میں نہیں واقعات میں ھوتا ھے - اُن کي تحریر فضا پیدا کرتی ھے نہ کہ نغمہ ' پھر یہ بھی ھے -

نغمہ اندر تست اندر نغمۂ داؤد نے

پطرس کي ظرافت ''اکتسابات'' میں پھلي پھولي معلوم ھوتي ھے لیکن اُردو کي فضا میں پہونچکر رنگینی اور رعنائي کے اعتبار سے دو آتشہ ھو گئي ھے !

پطرس اگر برابر لکھتے رہے اور مرزا عظیم بیگ چغتائی اور فرحت اللہ بیگ نے لکھنا کم کر دیا تو یقین ہے کہ اردو ادب میں ظرافت کا عنصر بغایت وقیع ' بغایت دلکش اور بغایت مہتمم بالشان ہو جائے گا اور شاید ایسا کہ ایشیا کی کسی زبان میں اس کی مثال نہ ملسکے !

بایںہمہ جہاں تک طنز یا ظرافت کا تعلق ہے " مضامین پطرس " ارض پنجاب میں دیوان غالب کی نہیں تو " مرقع چغتائی " کی حیثیت ضرور رکھتے ہیں !

بعض نمونے حسب ذیل ہیں '

کتے :—

" .... کل ہی کی بات ہے کہ رات کے کوئی گیارہ بجے ایک کتے کی طبیعت جو ذرا گد گدائی تو انہوں نے باہر سڑک پر طرح کا ایک مصرعہ دے دیا ایک آدہ منٹ کے بعد سامنے کے بنگلے میں سے ایک کتے نے مطلع عرض کر دیا - پھر تو جناب ایک کہنہ مشق استاد کو جو غصہ آیا ' ایک حلوائی کے چولھے میں سے باہر لپکے اور بھنّا کے پوری غزل مقطع تک کہہ گئے - اس پر شمال مشرق کی طرف سے ایک قدر شناس کتے نے زوروں کی داد دی ہے - اب تو حضرت وہ مشاعرہ گرم ہوا کہ کچھ نہ پوچھئے ' کمبخت بعض تو دو غزلے سہ غزلے لکھ لائے تھے - کئی ایک نے فی البدیہہ قصیدے کے قصیدے پڑھ ڈالے وہ ہنگامہ گرم ہو کہ ٹھنڈا ہونے میں نہ آتا تھا - ہم نے کھڑکی میں سے ہزاروں دفعہ " آرڈر آرڈر " پکارا لیکن ایسے موقعہ پر وہاں کسی کی کوئی نہیں سنتا .... "

...... چونکہ ہم طبعاً ذرا محتاط ہیں اس لئے آج تک کتے کے کاٹنے کا کبھی اتفاق نہیں ہوا - یعنی کسی کتے نے آج تک ہم کو کبھی نہیں کاٹا - اگر ایسا سانحہ کبھی پیش آیا ہوتا تو اس سرگذشت کی بجائے آج ہمارا مرثیہ چھپ رہا ہوتا تاریخی مصرعہ دعائیہ ہوتا کہ اس کتے کی مٹی سے بھی کتا گھاس پیدا ہو " لیکن '

کہوں کس سے میں کہ کیا ہے سگِ رہ بری بلا ہے
مجھے کیا برا تھا مرنا اگر ایک بار ہوتا

جب تک اس دنیا میں کتے موجود ہیں اور بھونکنے پر مصر ہیں سمجھ لیجئے ہم قبر میں پیر لٹکائے بیٹھے ہیں اور پھر ان کتوں کے بھونکنے کے اصول بھی تو کچھ نرالے ہیں یعنی ایک تو متعدی مرض ہے اور پھر بچوں بوڑھوں سبھی کو لاحق ہے - اگر کوئی بھاری بھرکم اسفند یار کتا کبھی کبھی اپنے رعب اور دبدبے کو قائم رکھنے کے لئے بھونک لے تو ہم بھی ' چار وناچار کہدیں کہ بھئی بھونک (اگرچہ ایسے وقت میں اسکو زنجیر سے بندھا ہونا چاہئے) لیکن یہ کمبخت دو روزہ سہ روزہ دو دو تین تین تولے کے پلّے بھی تو بھونکنے سے باز نہیں آتے - باریک آواز اتنا سا پھیپھڑا اس پر بھی اتنا زور لگا کر بھونکتے ہیں نہ آواز کی لرزش دم تک پہنچتی ہے .... کتوں کے بھونکنے پر مجھے سب سے بڑا اعتراض یہ ہے کہ کہ ان کی آواز سوچنے کے تمام قویٰ کو معطل کر دیتی ہے ' خصوصاً جب کسی دکان کے تختے کے نیچے سے ان کا ایک پورا خفیہ جلسہ باہر سڑک پر آ کر تبلیغ کا کام شروع کر دے تو آپ ہی کہئے ہوش ٹھکانے رہ سکتے ہیں ؟ - ہر ایک کی

طرف باری باری متوجہ ہونا پڑتا ہے کچھہ ان کا شرر کچھہ ہماری صدائے احتجاج (زیر لب) بےڈھنگے حرکات و سکنات (حرکات ان کی سکنات ہمارے) اس ہنگامے میں دماغ بھلا خاک کام کر سکتا ہے؟ .... بہر صورت کتوں کی یہ پرلے درجے کی نا انصافی میرے نزدیک ہمیشہ قابل نفریں رہی ہے - اگر ان کا ایک نمائندہ شرافت کے ساتھہ ہم سے کہدے کہ عالی جناب سڑک بند ہے تو خدا کی قسم ہم بغیر چوں و چرا کئے ہوئے واپس لوٹ جائیں اور یہ کوئی نئی بات نہیں ہم نے کتوں کی درخواست پر کئی راتیں سڑک ناپنے میں گذاردی ہیں - لیکن پوری مجلس کا یوں متفقہ و متحدہ طور پر سینہ زوری کرنا ایک کمینہ حرکت ہے (قارئین کرام کی خدمت میں عرض ہے کہ اگر ان کا کوئی عزیز و محترم کتا کمرے میں موجود ہو تو یہ مضمون بلند آواز سے نہ پڑھا جائے - مجھے کسی کی دلشکنی مطلوب نہیں) ''

''خدا نے ہر قوم میں نیک افراد بھی پیدا کئے ہیں - کتے اس کلیے سے مستثنے نہیں - آپ نے خدا ترس کتا بھی ضرور دیکھا ہو گا عموماً اس کے جسم پر تپسیا کے اثرات ظاہر ہوتے ہیں - جب چلتا ہے تو اس مسکینی اور عجز سے گویا بارگناہ کا احساس آنکھہ اُٹھانے نہیں دیتا - دُم پیٹ کے ساتھہ لگی ہوتی ہے - سڑک کے بیچوں بیچ غور و فکر کے لئے لیٹ جاتا ہے اور آنکھیں بند کر لیتا ہے' شکل بالکل فلاسفروں کی سی اور شجرہ دیو جانس کلبی سے ملتا ہے - کسی گاڑی والے نے متواتر بگل بجایا - گاڑی کے مختلف حصوں کو کھٹکھٹایا - لوگوں سے کہلوایا - خود دس بارہ دفعہ آوازیں

دیں تو آپ نے سر کو وهیں زمین پر رکھے سرخ مخمور آنکھوں کو کھولا ' صورت حالات کو ایک نظر دیکھا اور پھر آنکھیں بند کرلیں - کسي نے ایک چابک لگا دیا تو آپ نہایت اطمینان کے ساتھہ وهاں سے اُٹھہ کر ایک گز پرے جالیٹے اور خیالات کے سلسلے کو جہاں سے وہ توٹ گیا تھا وهیں سے پھر شروع کر دیا :-
کسي بائیسکل والے نے گھنتي بجائي تو لیٹے هي لیٹے سمجھہ گئے که بائیسکل هے ایسي چھچھوری چیزوں کے لئے وہ رستہ چھوڑدینا فقیري کي شان کے خلاف سمجھتے هیں -

رات کے وقت یهي کتا اپنی خشک پتلي سي دم کو تابحد امکان سڑک پر پھیلا کر رکھتا هے اس سے محض خدا کے برگزیدہ بندوں کي آزمائش مقصود هوتي هے - جہاں آپنے غلطي سے اس پر پاؤں رکھہ دیا - انھوں نے غیظ و غضب کے لہجہ میں آپ سے پرسش شروع کر دي " بچا فقیروں کو چھیڑتا هے ' نظر نہیں آتا ' هم سادھو لوگ یہاں بیٹھے هیں " بس اس فقیر کی بدعا سے اسي وقت رعشه شروع هو جاتا هے ' بعد میں کئي راتوں تک یہی خواب نظر آتے رهتے هیں که بےشمار کتے ٹانگوں سے لپٹے هوتے هیں اور جانے نہیں دیتے آنکھہ کھلتی هے تو پاؤں چارپائی کي ادوائن میں پھنسے هوتے هیں -

اگر خدا مجھے کچھہ عرصه کے لئے اعلي قسم کے بھونکنے اور کاتنے کي طاقت عطا فرمائے تو جنون انتقام میرے پاس کافی مقدار میں هے - رفته رفته سب کتے علاج کے لئے کسولي پہنچ جائیں .... انگریزی میں ایک مثل هے که " بھونکتے هوئے کتے کاٹا نہیں کرتے " یه بجا هے لیکن کون جانتا هے که ایک بھونکتا هوا کتا کب بھونکنا بند کر دے اور کاٹنا شروع کردے - "

"............ قصہ میرے بھتیجے سے شروع ہوتا ہے - میرا بھتیجا یوں دیکھنے میں عام بھتیجوں سے مختلف نہیں - میری تمام خوبیاں اس میں موجود ہیں اور اس کے علاوہ نئی پود ہونے کے وجہ سے بعض فالتو اوصاف بھی کبھی کبھی نظر آتے ہیں - لیکن ایک صفت تو اس میں ایسی ہے کہ آج تک ہمارے خاندان میں اس شدت کے ساتھ کبھی رونما نہیں ہوئی تھی - وہ یہ کہ بڑوں کی عزت کرتا ہے - اور میں تو اس کے نزدیک بس علم و فن کا ایک دیوتا ہوں - یہ خبط اس کے دماغ میں کیوں سمایا ہے - اس کی وجہ میں یہی بتا سکتا ہوں کہ نہایت اعلیٰ سے اعلیٰ خانوادوں میں بھی کبھی کبھی ایسا دیکھنے میں آ جاتا ہے - میں نے شائستہ سے شائستہ دودمانوں کے فرزندوں کو بعض وقت بزرگوں کا اس قدر احترام کرتے دیکھا ہے کہ ان پر فیچ ذات ہونے کا گمان ہونے لگتا ہے "

" .... آخرکار بائسکل پر سوار ہوا - پہلا ہی پاؤں چلایا تو ایسا معلوم ہوا کہ جیسے کوئی مردہ اپنی ہڈیاں چٹخا چٹخا کر اپنی مرضی کے خلاف زندہ ہو رہا ہے - گھر سے نکلتے ہی کچھ تھوڑی سی اترائی تھی - اس پر بائسکل خود بخود چلنے لگی لیکن اس رفتار سے جیسے تارکول زمین پر بہتی ہے - اور ساتھ ہی مختلف حصوں سے طرح طرح کی آوازیں برآمد ہونی شروع ہوئیں - ان آوازوں کے مختلف گروہ تھے - چیں - چاں چوں کی قسم کی آوازیں زیادہ تر گدی کے نیچے اور پچھلے پہئے سے نکلتی تھیں - کھٹ ، کھڑ ، کھڑ کھڑ کی قبیل کی آواز مڈگاڈروں سے آتی تھیں - چر - چرخ ، چر - چرخ کی قسم کی سریں -

زنجیر اور پیڈل سے نکلتی تھیں ۔ زنجیر ڈھیلی ڈھیلی تھی ۔ میں جب کبھی پیڈل پر زور ڈالتا تھا زنجیر میں ایک انگڑائی سی پیدا ہوتی تھی ۔ جس سے وہ تیز جاتی تھی اور چر چر بولنے لگتی تھی اور پھر ڈھیلی ہو جاتی تھی ۔ پچھلا پہیہ گھومنے کے علاوہ جھومتا بھی تھا یعنی ایک تو آگے چلتا تھا اور اس کے علاوہ دائیں سے بائیں اور بائیں سے دائیں کو بھی حرکت کرتا تھا چنانچہ سڑک پر جو نشان پڑتا جاتا تھا اس کو دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی مخمور سانپ لہرا کر نکل گیا ہے ۔ مڈگارڈ تھے تو سہی لیکن پہیوں کے عین اوپر نہ تھے ۔ اُن کا فائدہ صرف یہ معلوم ہوتا تھا کہ انسان شمال کی سمت سیر کو نکلے اور آفتاب مغرب میں غروب ہو رہا ہو تو مڈگارڈوں کی بدولت ٹائر دھوپ سے بچے رہیں گے ۔

اگلے پہیے کے ٹائر میں ایک بڑا سا پیوند لگا تھا جس کی وجہ سے پہیہ ہر چکر میں ایک دفعہ لمحہ بھر کو زور سے اوپر اٹھ جاتا تھا اور میرا سر پیچھے کو یوں جھٹکے کھا رہا تھا جیسے کوئی متواتر ٹھوڑی کے نیچے مکے مارے جا رہا ہو ۔ پچھلے اور اگلے پہئے کو ملا کر چوں چوں پھٹ ' چوں چوں پھٹ ' چوں چوں پھٹ ' .... کی صدا نکل رہی تھی ۔ جب اترائی پر بائیسکل ذرا تیز ہوئی تو فضا میں ایک بھونچال سا آگیا اور بائیسکل کے کئی اور پرزے جو اب تک سوئے ہوئے تھے بیدار ہو کر گویا ہوئے ۔

اِدھر اُدھر کے لوگ چونکے ۔ ماؤں نے اپنے بچوں کو سینے سے لگا لیا ۔ کھڑر کھڑر کھڑر کے بیچ میں پہیوں کی آواز جدا سنائی دے رہی تھی ۔ لیکن چونکہ بائیسکل اب پہلے سے تیز تھی

اس لئے چوں چوں پھٹ ' چوں چوں پھٹ کی آواز نے اب چچوں پھٹ ' چچوں پھٹ ' چچوں پھٹ کی صورت اختیار کر لی تھی - تمام بائیسکل کسی ادق افریقی زبان کی گردانیں دھرا رہی تھی ''

اس قدر تیز رفتاری بائیسکل کی طبع نازک پر گراں گذری - چنانچہ اس میں یک لخت دو تبدیلیاں واقع ہو گئیں ایک تو ہینڈل ایک طرف کو مڑ گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ میں جا تو سامنے کو رہا تھا لیکن میرا تمام جسم دائیں طرف کو مڑا ہوا تھا - اس کے علاوہ بائیسکل کی گدی دفعتاً چھہ انچ کے قریب نیچے بیٹھ گئی - چنانچہ جب پیڈل کے چلانے کے لئے میں ٹانگیں اوپر نیچے کر رہا تھا تو میرے گھٹنے میری ٹھوڑی تک پہنچ پہنچ جاتے تھے - کمر دوھری ہو کر باہر کو نکلی ہوئی تھی اور ساتھہ ہی اگلے پہیے کی اٹکھیلیوں کی وجہہ سے سر برابر جھٹکے کھا رہا تھا .... جیب میں سے میں نے اوزار نکالا ' گدی کو اونچا کیا ' کچھہ ہینڈل کو ٹھیک کیا اور دوبارہ سوار ہو گیا '' -

'' دس قدم بھی چلنے نہ پایا تھا کہ اہکی بار ہینڈل یک لخت نیچا ہو گیا اتنا کہ گدی اب ہینڈل سے کئی فٹ پھر اونچی تھی میرا تمام جسم آگے کو جھکا ہوا تھا - تمام بوجھہ دونوں ہاتھوں پر تھا جو ہینڈل پر رکھے تھے اور جو برابر جھٹکے کھا رہے تھے .... میں دور سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کوئی عورت آٹا گوندھہ رہی ہو - مجھے اس مشابہت کا احساس بہت تیز تھا - جس کی وجہہ سے میرے ماتھے پر پسینہ پھوٹ آیا .... ہینڈل تو نیچا ہو ہی گیا تھا -

تھوڑی دیر کے بعد گدی بھی پھر نیچی ہو گئی اور میں ہمہ تن زمین کے قریب پہنچ گیا - ایک لڑکے نے کہا دیکھو یہ آدمی کیا کر رہا ہے ' گویا اس بد تمیز کے نزدیک میں کوئی کرتب دکھا رہا تھا - میں نے اتر کر پھر ہینڈل اور گدی کو اونچا کیا .... " -

" .... مشکل سے بیس قدم گیا ہونگا کہ مجھے ایسا معلوم ہوا جیسے زمین یک لخت اُچھل کر مجھے آ لگی ہے - آسمان میرے سر سے ہٹ کر میری ٹانگوں کے بیچ میں سے گذر گیا ہے اور اِدھر اُدھر کی عمارتوں نے ایک دوسرے کے ساتھ اپنی اپنی جگہہ بدل لی ہے - حواس بجا ہوئے تو معلوم ہوا کہ میں زمین پر اِس بے تکلفی سے بیٹھا ہوں گویا بڑی مدت سے مجھے اس بات کا شوق تھا جو آج پورا ہوا .... میں نے اپنے گردوپیش پر غور کیا تو معلوم ہوا کہ میری بائیسکل کا اگلا پہیہ بالکل الگ ہوکر لڑھکتا ہوا سڑک کے اُس پار جاپہنچا ہے اور بائیسکل کا باقی میرے پاس پڑا ہے ' میں نے فوراً اپنے آپ کو سنبھالا جو پہیہ الگ ہوگیا تھا اس کو ایک ہاتھ میں اُٹھایا دوسرے ہاتھ میں باقی ماندہ بائیسکل کو تھاما اور چل کھڑا ہوا - یہ محض ایک اضطراری حرکت تھی ورنہ حاشا وکلا بائیسکل مجھے ہرگز اتنی عزیز نہ تھی کہ میں اس کو اس حالت میں ساتھ ساتھ لئے پھرتا "

" جب میں یہ سب کچھ اٹھاکر چل دیا تو میں نے اپنے آپ سے پوچھا کہ یہ تم کیا کر رہے ہو - کہاں جارہے ہو ' تمہارا ارادہ کیا ہے - یہ دو پہیئے کا ہے کو ساتھ لے جا رہے ہو "

" سب سوالوں کا جواب یہی ملا کہ دیکھا جائے گا فی الحال

تم یہاں سے چل دو - سب لوگ تمہیں دیکھ رہے ہیں - سر اونچا رکھو اور چلتے جاؤ جو ہنس رہے ہیں اُنہیں ہنسنے دو ' اس قسم کے بیہودہ لوگ ہر قوم اور ہر ملک میں پائے جاتے ہیں - آخر ہوا کیا - محض ایک حادثہ - بس دائیں بائیں مت دیکھو چلتے جاؤ - لوگوں کے ناشائستہ کلمات بھی سنائی دے رہے تھے - ایک آواز آئی " بس حضرت غصہ تھوک ڈالئے - ایک دوسرے صاحب بولے " بیٹھیا بائیسکل - گھر پہنچ کے تجھے مزا چکھاؤں گا - ایک والد اپنے لخت جگر کو انگلی پکڑے لئے جارہے تھے میری طرف اشارہ کر کے کہنے لگے " دیکھا بیٹا یہ سرکس کی بائیسکل ہے - اس کے دونوں پہیئے الگ الگ ہوتے ہیں .... "

مرزا فرحت اللہ بیگ صاحب بی اے (علیگ) یوں تو حال ہی میں اس حمام (ظرافت) میں برہنہ ہوئے ہیں لیکن تیور اور دم خم دیکھکر علی گڑھ والوں کی زبان اور مفہوم میں ان پر " بڑا پرانا " ہونے کا فقرہ پورے طور پر چسپاں ہوتا ہے اور پرانا بھی ایسا کہ ' نا ' کا تلفظ اس طور پر کیجئے یا کرتے جائیے کہ آپ کا سانس اس وقت ٹوٹے جب زندگی خطرہ میں پڑنے لگے !

جہاں تک راقم الطور کی یادرفاقت کرتی ہے مرزا صاحب کا پہلا مضمون " اُردو " میں " دہلی کا ایک مشاعرہ " کے عنوان سے شائع ہوا تھا - پہلے مضمون سے ایسا مضمون مراد ہے جس کو خالصتاً ظریفانہ نہیں تو اس کا مقدمہ ضرور کہہ سکتے ہیں - اس کے بعد پھول والوں کی سیر ' اور مولانا نزیر احمد ' مرحوم کی سیرت اور دیگر مضامین شائع ہوئے - بہر حال یہ تو مرزا صاحب

کي "عمر ظرافت" یا "ظریفانہ عمر" کي "کھتھونی" ہوئی جس سے ناظرین تو تو کیا فاعتبرو یا اولي‌الابصار" کو زیادہ فائدہ حاصل ہوگا -

ہاں تو کہنا یہ تھا کہ مرزا صاحب حال ھي میں اس حمام میں برھنہ ہوئے ہیں لیکن اس میں شک نہیں وہ "باتھ‌روم" میں نہیں بلکہ "حمام" ھي میں برھنہ ہوئے ہیں اور حمام کي برھنگی کا مشرقي مفہوم تہبند ھے جس کو مرزا صاحب نے ترک نہیں کیا ھے اور خوب کیا ھے - باتھ روم کے غسل اور وہاں کي برھنگي آرٹ و حفظان صحت کے اصول پر ممکن ھے صحیح ہو لیکن مشرق اور مشرقیت ابھی اس سے ہم آہنگ نہیں ہو سکي ھے اور شاید یہ ہو بھی نہیں سکتی - مرزا صاحب کا تہبند بھي وھي دادا جان کي "گاڑھے کي تہمد" ھے جس میں ستر ظرافت چھپي ہوتي ھے ' - ان کي نہیں اُن کے آرٹ کي !

فرحت اللہ بیگ صاحب کو عہد مغلیہ کے آخری دور کي معاشرت اور تمدن کا صحیح اور دلکش ترین مرقع کھینچنے پر بڑي قدرت حاصل ھے - ایسی قدرت جو بعض ناگزیر کوتاھیوں کے ساتھ آپ کو مولانا راشدالخیري اور حکیم ناصر نذیر فراق کي تحریروں میں بھي نظر آ سکتي ھے اور اس کا سب سے بڑا سبب یہ ھے انھوں نے دلي ھي میں آنکھ کھولي اور دلي والوں کي آنکھیں بھي دیکھیں - اس لئے وہ یا آغا حیدر حسن صاحب (بقول علي گڑھ والوں کے "ددا سربھا") دلي کے سلسلہ میں جو کچھ کہہ سن جائیں گے وہ باھر والوں یا والیوں کو کہاں نصیب - فرحت صاحب کي ظرافت میں انتہائي سادگي کے ساتھ زبان اور بیان کا چٹخارہ بھی ہوتا ھے لیکن اس کے

ساتھ ساتھ یہ بھي کہنا پڑتا ھے کہ بعض اوقات وہ دانستہ یا نا دانستہ طور پر محاورہ یا زبان یا ضرب‌الامثال کي بے محل نمائش بھي کر جاتے ھیں اور مضمون کا اتنا حصہ قدرتاً مصنوعي معلوم ھونے لگتا ھے - چغتائي اور فرحت صاحبان کے انداز تحریر کا امتیاز خصوصي یہي ھے کہ چغتائي الفاظ ' محاورہ ' زبان یا ضرب‌الامثال کي کبھي نمائش نہیں کرتے لیکن فرحت صاحب کو چغتائي پر اس اعتبار سے تفوق حاصل ھے کہ فرحت صاحب کے ظرافت بعض اھم اور سنجیدہ مقاصد کي ترجماں بھي ھوتي ھے - چغتائي صاحب کي مانند فرحت صاحب کو بھي جزئیات خوب سوجھتي ھیں اور یہي چیز صحیفہ ظرافت میں "جان سخن" بھي ھے لیکن فرق یہ ھے کہ فرحت کي سوجھ میں بوجھ کو بھي دخل ھوتا ھے اور چغتائي کو صرف سوجھتي ھے - لیکن خوب سوجھتي ھے ا

فرحت صاحب کے مضامین کے مطالعہ کے بعد ھم بے اختیار کہہ پڑتے ھیں '

ایسی چنگاری بھي یارب اپني خاکستر میں تھي !
چغتائي صاحب کے مضامین پڑھنے کے بعد
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھي میرے دل میں تھي !

مرزا فرحت‌الله بیگ صاحب کے تحریر کا نمونہ درج ذیل ھے -

"عشق کي گولیاں"

'' ناصر کو میں کیا اسکے سارے دوست بےوقوف سمجھتے تھے اور کیوں نہ سمجھتے جس بھلے آدمي کا سر کھوپرے کي بتیا ھو اس میں عقل ھي کہاں سے آنے لگی اور آئے گی بھي تو کتني

آئے گی ۔ بیچارہ چار دفعہ انٹرنس کے امتحان میں بیٹھا اور سب مضمونوں میں فیل ہوا ۔ اللہ نے ماں باپ کو روپیہ دیا تھا ۔ جھٹ اُٹھا ولایت بھیجدیا ۔ ہماری تو سمجھہ میں نہیں آتا کہ ولایت کی آب و ہوا ہی کچھہ نئی ہے یا وہاں والے طالب علموں کو کتابیں گھول کر پلا دیتے ہیں کہ یہاں سے ان پڑھ جاؤ اور تین چوتھی برس میں بی اے ۔ ایم اے ۔ ال ال ڈی ہوکر آجاؤ ۔ یہاں ناصر کے ساتھہ بھی یہی ہوا یا تو کسی طرح انٹرنس پاس ہی نہ ہوتے تھے یا ولایت جاتے ہی زنازن امتحانوں میں پاس ہونے لگے اور تین ہی برس میں بی اے ہوکر ڈاکٹری کی جماعت میں شریک ہوگئے ۔ بڑی نوابی سے وہاں پانچ برس گذرے امتحان میں بیٹھے پاس ہوئے اور سند مل گئی کہ آج سے اس شخص کو اختیار ہے جس کو چاہے زہر دیکر مار ڈالے جس پر چاہے چھری چلا دے جس کو چاہے عدم‌آباد پہنچا دے ، کسی قانون کے رو سے اس کے مقابلہ میں ضرر شدید ، زہر خورانی یا قتل عمد کا مقدمہ قائم نہ ہو سکے گا ۔ خیر پڑھائی سے فارغ ہوکر گھر آئے اور بہت دھوم دھام سے آئے ۔ ماں باپ کے دل باغ باغ ہوئے ، قبرستان والوں کے ہاں عید ہوئی مریضوں اور بیماروں کی موت آئی ۔ میاں ناصر نے اپنی دوکان پھیلائی اور ملک الموت نے اُن کے نام سے اپنے دفتر میں ایک نیا کھاتہ کھول دیا .... ''

'' آزاد نگارستان[۱] اور دادا جان ''

'' مل گئی ۔ آخر نگارستان کو آزادی مل ہی گئی ۔ اور

۱ - نگارستان سے مراد چین نہیں ہے بلکہ وہ ملک ہے جہاں نگرز Niggers (کالی چمڑی والے) رہتے ہیں

کیوں نہ ملتی ۔ اس ایک آزادی کے لئے یہاں والوں نے کیا کیا جتن نہیں کئے ۔ کھیتوں کی کاشتکاری چھوڑی ' نہروں سے پانی لینا چھوڑ دیا ' ولائتی کپڑے کا خریدنا چھوڑ دیا ' تجارت میں حصہ لینا چھوڑ دیا ۔ بنکوں سے حساب کتاب چھوڑ دیا ۔ دوکانوں پر چوکسی کی ۔ شہروں پر ڈاکے ڈالے ۔ ریلوں کے پل اُڑائے ۔ اپنے اور غیروں پر طپنچے چلائے ' فوجوں کی گولیاں کھائیں ' پولیس کے ظلم سہے ' جیل خانوں میں چھاؤنی چھائی ' پھانسیوں پر جان گنوائی ۔ آخر آزادی آئی اور بڑے زور سے آئی ۔ حکومت ملی اور پوری حکومت ملی ۔ خیر ایک جھگڑا گیا مگر دوسری مصیبت یہ پیش آئی کہ حکومت کریں تو کیوں کر کریں ' اور حکومت کرے تو کون کرے " دادا جان قصبہ امن آباد کی طرف سے پارلیمان کے ممبر منتخب ہوئے ' چنانچہ اب شریک جلسہ ہونے کے لیئے روانہ ہورہے ہیں ۔

" .... دادا جان نے جھٹ پٹ روانگی کا سامان درست کرنا شروع کر دیا ' کہیں سے ڈھونڈھ ڈھانڈ کر کسی وقت وقتاں کا ٹاٹ کا بیگ نکالا ۔ موچی کو بلوا کر جہاں جہاں سے چوہوں نے کاٹا تھا اس کو سلوایا گیا ۔ دو جوڑے کپڑے لنگی میں لپیٹ کر اس میں رکھے گئے ناریل کا حقہ چلم تمباکو کوئلے اور دیاسلائی کی ڈبیہ اور خدا جانے کیا کیا الا بلا اس میں ٹھونسی گئی ۔ پرانی دری دھلوائی گئی ۔ صاف چادر اور دو موٹے موٹے تکیے اس میں لپیٹ اور اوپر چھتری اور لٹھ رکھ ' سب کو بان سے کسا گیا ۔ ٹین کے لوٹے میں رسی باندھ کر اس کو بستر میں لٹکایا گیا ۔ داڑھی اور بالوں میں لوگوں کے بہت کہنے سننے سے خضاب لگایا ۔ چونکہ بیچارے بالوں نے اس سے

پہلے یہ مصیبت کبھی نہیں اُٹھائی تھی اس لیے ہر بال نے اپنی طبیعت کے موافق نیا رنگ اختیار کیا داڑھی سیاھی سے شروع ہوئی - آگے چل کر طاؤسی رنگ کی ہوئی - پھر اور آگے اودی ہوئی اور آخر ہلکے گلابی رنگ پر ختم ہوئی - سر کے بال ذرا اچھے رہے کیونکہ سب کے سب مل ملا کر کشمشی رنگ کی ٹوپی بن گئے -

چلنے کے دن صبح ہی سے دادا جان کا بناؤ شروع ہوا - موٹے گاڑھے کا کوئی تین گز کا منڈا سا باندھا - بدن پر گاڑھے کی مرزئی پہنی - گاڑھے کی تہمد پہنی - پاؤں میں ادھوڑی استر کا نعل دار جوتا پہنا - روپیوں کی ہمیانی کمر میں لپیٹی اور پارلیمان کے پورے ممبر ہو گئے - منجھولی میں بیٹھ کر گھر سے نکلے ...... اسی دھم دھم میں اسٹیشن آگیا - گاڑی کے آنے میں دیر تھی - دادا جان کو گھبراہٹ ہورہی تھی ' کبھی ریل کو برا بھلا کہتے کبھی ریل والوں کو - کبھی کہتے بھئی ہم سے یہ ریل ویل چلانی ذرا مشکل ہے - تم ہی دیکھو نا کہ پہلے کیا ٹھیک وقت پر آتی تھی اور آج آنے کا نام ہی نہیں لیتی ' میں نے کہا دادا جان اب ریل کے وقت بدل گئے ہیں کہنے لگے یہی تو میں بھی کہتا ہوں کہ ہم لوگوں سے یہ کام سنبھلتا نظر نہیں آتا - بھلا تم ہی بتاؤ کہ پہلے وقت میں کیا برائی تھی جو بیٹھے بٹھائے اس کو بدل دیا - نہیں بھئی یہ کام کچھ وہی لوگ اچھا چلاتے تھے - میں تو کمیٹی میں جاتے ہی کہوں گا کہ اس ریل کو پرانی سرکار کے ہاتھ بیچ ڈالو - اُن کی دیکھی بھالی چیز ہے وہی اُس کے کل پرزوں کو خوب سمجھتے ہیں - ہم نئے آدمیوں سے یہ کام نہ

سنبھلا ہے نہ سنبھلے گا - میں نے ہزار طرح سمجھایا کہ پہلے بھی ریلوں کے وقت بدلا کرتے تھے مگر وہ کسی طرح نہ سمجھے اور یہی کہتے رہے کہ ریل کو تو میں بکوا کر رہوں گا - خیر خدا خدا کر کے ریل آ ہی گئی - میں دادا جان کو اول درجہ کے پاس لیکر گیا ' اُنھوں نے اندر جھانکا اور جوٹ باہر نکل آئے میں نے کہا اندر جائیے کہنے لگے یہ ہمارا درجہ نہیں ہے افسروں کا ہے ہم کو وہیں تیسرے درجہ میں لے چلو بڑی مشکل سے میں نے اُن کو اندر کیا وہاں پارلیمان کے دو اور ممبر بیٹھے تھے - اُنھوں نے جو اُن کی ہیئت کذائی دیکھی تو کہا Get out ! This is first class. (نکل جاؤ یہ اول درجہ ہے) - دادا جان انگریزی تو کیا خاک سمجھتے ہاں ان لوگوں کے چہرے اور الفاظ کے جھٹکے سے جان گئے کہ مجھے نکل جانے کو کہتے ہیں فوراً باہر آگئے پھر لاکھہ سر مارا کہ اندر جاکر بیٹھئے - ان لوگوں سے بھی کہا کہ یہ پارلیمان کے ممبر ہیں لیکن دادا جان کسی طرح راضی نہ ہوئے اور ساتھہ ہی میرے پیچھے پڑ گئے کہ ساتھہ چل - آخر میں نے بھی تھرڈ کلاس کا ٹکٹ لیا اور بیک بینی و دو گوش اُن کے ساتھہ ریل میں سوار ہو گیا -

تھرڈ کلاس میں بیٹھہ کر دادا جان کی طبیعت کھلی - پہلے اپنا تھیلا کھولا - ناریل نکالا ' کوئلے جلائے چلم بھری اور اپنے ہمجنسوں سے مزے مزے کی باتیں کرنے لگے - اناج کے بھاؤ پر بحث ہوئی - سرکاری مالگذاری کے قصے چھڑے - مقدمات کا ذکر ہوا - نئی گورنمنٹ کے متعلق رائے زنی ہوئی - پارلیمان کے لیئے تحریکات مرتب ہوئیں غرض رات کے گیارہ بجے تک یہی

جھک جھک بک بک ہوتی رہی - میں تو کھڑکی میں سر رکھہ کر سو گیا معلوم نہیں یہ قصے کب تک چلے اور کب ختم ہوئے - ہاں صبح جب میری آنکھہ کھلی تو دیکھا کہ دادا جان اسی طرح اپنے یار دوستوں میں بیٹھے چلم کے دم لگا رہے ہیں .... "

کوئی گیارہ بجے پارلیمان کے دروازہ پر جا پہنچے - دادا جان نے بسم اللہ کہہ سیڑھیاں چڑھ ' عمارت کے عالی شان پھاٹک میں قدم رکھا - دروازہ ہی پر افسر نے ٹکٹ مانگا - ان کے پاس دو ٹکٹ آئے تھے ایک سبز اور دوسرا سفید - معلوم ہوتا ہے سفید ٹکٹ گیلری کا تھا اور سبز ٹکٹ ممبری کا - سفید ٹکٹ شاید اس لئے آیا تھا کہ اگر کسی دوست کو لانا چاہو تو لا سکتے ہو - انہوں نے سفید ٹکٹ نکال کر افسر کے ہاتھہ میں دیا اس نے دو منزلہ کی جو سیڑھیاں تھیں ان کی طرف اشارہ کر دیا - یہ نعل دار جوتے سے کھٹ کھٹ کرتے سیڑھیوں پر چڑھے کوئی چار پانچ ہی سیڑھیاں چڑھے ہونگے کہ سپاہی نے ہونٹوں پر انگلیاں رکھہ کر خاموشی کا اشارہ کیا انہوں نے ذرا آہستہ آہستہ پاؤں رکھنے شروع کئے مگر اس سے کیا ہوتا تھا سنگ مرمر کی سیڑھیاں تھیں اور نعلدار جوتا - لاکھہ دبا کر پاؤں رکھتے وہ کھٹ کھٹ کہاں جاتی تھی - تھوڑے ہی اوپر گئے ہونگے کہ دوسرے سپاہی نے وہی خاموشی کا اشارہ کیا اب ان کو سوائے اسکے کچھہ نہ سوجھی کہ جوتیاں اتار بغل میں دبا لیں اور ننگے پاؤں اوپر چڑھیں چنانچہ اس طرح یہ مشکل آسان ہوئی - سیڑھی کی طرف جو دروازہ تھا اس پر ایک پہرہ‌دار کھڑا تھا - اس نے بایاں ہاتھہ پھیلا کر اشارہ کیا کہ آگے جاؤ - یہ سڑک کے انتظام میں پولیس کے سپاہی کی

حرکات کا مطالعہ اچھی طرح کر چکے تھے سمجھے کہ اس دروازہ میں جانے کو کہتا ہے جھٹ ڈبکی مار اس کے ہاتھ کے نیچے سے گذر دروازہ میں داخل ہوئے -

شامت اعمال سے یہ گیلری عورتوں کی تھی - عورتوں نے جو دیکھا کہ ایک دہقاں جوتیاں بغل میں دبائے اندر گھسا آ رہا ہے تو غل مچا دیا - کسی کو چکر آیا کوئی گھبرا کر کھڑی ہوگئی - ایک بیگم صاحب نے بے دم ہو کر دادا جان کے کندھے پر سر رکھ دیا - نیچے پارلیمان کا اجلاس ہو رہا تھا - اس غل شور سے وہ بھی بند ہو گیا - سب لوگ پھر پھر کر عورتوں کی گیلری کی طرف دیکھنے لگے.........آخر نیچے سے دو تین افسروں نے آ کر دادا جان کو اس گیلری سے نکال کر زبردستی ردوں کی گیلری میں ٹھونس دیا -

یہ تھوڑی دیر تک تو پریشان حال بیٹھے رہے جب ذرا طبیعت سنبھلی تو اپنی جگہ سے اُٹھے اور لوگوں کی کُہنیاں کھاتے ' دھتکاریں سنتے گیلری کے جنگلہ تک پہنچے اور جنگلہ پر دونوں کہنیاں ٹیک جھک کر نیچے کا تماشا دیکھنے لگے لوگوں نے ہٹانا بھی چاہا - ٹانگوں میں چٹکیاں بھی لیں مگر یہ کیا ہٹنے والے اسامی تھے - تھوڑی دیر کے بعد ایک صاحب سے پوچھا ارے بھئی یہ نیچے کیا ہو رہا ہے انھوں نے کہا کہ پارلیمان کا اجلاس ' پھر سوال کیا کہ نیچے جو لوگ بیٹھے ہیں یہ کون ہیں اُنھوں نے جواب دیا کہ یہ پارلیمان کے ممبر ہیں اتنا سننا تھا کہ دادا جان نے نعرہ مارا کہ ٹھرو ٹھرو ہم کو بھی نیچے آنے دو یہ ہمارے بغیر کیوں اجلاس کیا جا رہا ہے اس آواز سے سب لوگوں کی نظریں مردانہ گیلری کی طرف خود

بخود پھر گئیں کیا دیکھتے ھیں کہ وھی صاحب جو پہلے زنانہ گیلری میں آفت بپا کر چکے تھے اب دوسری گیلری میں کھڑے اجلاس بند کرنے کا حکم دے رھے ھیں - لوگوں میں گھسر پھسر شروع ھوئی صدر نشیں نے بڑے زور سے " خاموش " کہا دادا جان سمجھے مجھے خاموش کرنے کو کہا جا رھا ھے وھیں سے چیخ کر بولے آخر ھم کیوں چپ رھیں - ایک تو بغیر ھمارے کمیٹی شروع کر دو اور پھر یہ کہو کہ چپ رھو ' ھم یہاں بولنے آئے ھیں یا چُپ رھنے کو .... " -

---

" ڈاکٹر نذیر احمد کی کہانی کچھہ میری اور کچھہ ان کی زبانی " -

" میں نے دادی سے کہا کہ بھئی تمہارے کہنے سے میں نے عربی لی تھی اب میرے کہنے سے تم سائنس لے لو جس سہولت کی بنا پر تم نے میرا مضمون بدلوایا تھا اب اسی سہولت کے مد نظر اپنا مضمون بدلو - بقول شخصے کہ " مرتا کیا نہ کرتا " وہ راضی ھوگئے - دفتر میں جاکر جو لکچروں کا حساب کیا تو معلوم ھوا کہ مضمون تبدیل کرنیکا وقت نہیں رھا - لکچر کم رہ جائینگے اور اس طرح بجائے دو سال کے تین سال میں شریک امتحان ھونا پڑے گا " سنگ آمد و سخت آمد " جب " وہ جو بیچتے تھے دوائے دل وہ دوکان اپنی بڑھا گئے " کی صورت آپڑی تو دوسرے ٹھکانے کی تلاش ھوئی - دونوں سر ملاکر بیٹھے ' مشورے کئے ' رزولیشن پاس ھوئے - آخر یہ تجویز پاس ھوئی کہ " خاک از تودہ کلاں بردار " کے مقولے پر عمل کر کے کسی زبردست مولوی کو گھیرنا چاھیئے - دلی میں دو تین

بڑے عربی داں مانے جاتے تھے - ایک مولوي محمد اسحاق صاحب دوسرے شمس العلما مولوي ضیاءالدین خاں صاحب ال ال ڈي اور تیسرے مولوي نذیر احمد خاں صاحب - پہلے کو تو دیوانگي سے فرصت نہ تھي - قرعہ دوسرے صاحب پر پڑا ' گرمیوں کا زمانہ تھا - مولوي ضیاءالدین صاحب جامع مسجد میں رات کے دس گیارہ بجے تک بیٹھے وظیفہ پڑھا کرتے تھے - هم دونوں نے بھي جاکر شام هي سے جامع مسجد کي سیڑھیوں پر ڈیرے ڈالدئے آٹھہ بجے نو بجے دس بج گئے - مولوي صاحب نہ آج نکلتے هیں نہ کل - خدا خدا کر کے دروازہ سے قندیل نکلتی معلوم هوئي - هم دونوں بھي هاتھہ پاؤں جھٹک کر خوشامد کے فقرے سوچ کھڑے هوگئے - هم آخر سیڑھیوں پر کھڑے تھے اس لیے دروازہ میں سے پہلے قندیل نکلتي نظر آئي اس کے بعد جس طرح سمندر کے کنارے سے جہاز آتا دکھائي دیتا هے اسي طرح پہلے مولوي صاحب کا عمامہ اس کے بعد ان کا نوراني چہرہ ' سرمگیں آنکھیں ' سفید ریش مبارک ' سفید جبہ اور سب سے آخر زرد بانات کي سلیم شاهي جوتیاں نظر آئیں .... "

" .... اندھا کیا چاهیے دو آنکھیں ' ٹھیک آٹھہ بجے هم دونوں سراج الدین صاحب کي دوکان پر پہنچے - یہ دوکان فتح پوری کي مسجد کے قریب تھي جاکر کیا دیکھتے هیں کہ مولوي صاحب بیٹھے سراج الدین سے کچھہ رقم کا حساب کر رهے هیں - هم نے جاتے هي فراشي سلام کئے اور خاموش تخت کے کونے پر بیٹھہ گئے - سراج الدین صاحب نے خیریت پوچھي - عبدالرحمن همارے پاس آ بیٹھے - مگر مولوي صاحب روپیوں

کے حساب کتاب میں اسقدر مشغول تھے کہ اُنھوں نے دیکھا بھي نہیں کہ کون آیا کون گیا - میں نے سوچا کہ معاملہ یہاں بھي پتتا معلوم نہیں ھوتا - دھتکار سلکر یہاں سے بھي نکلنا پڑے گا - سچ ھے مایوسي انسان کو ھمت والا بنا دیتی ھے - " مرتا کیا نہ کرتا " میں نے بھي سوچ لیا " آج اِس پار یا اُس پار " - مولوي ضیاء الدین صاحب تو بچ کر نکل گئے لیکن مولوي نذیر احمد صاحب سے دو دو ھاتھہ ھو جائیں گے - قصہ مختصر مولوي صاحب حساب سے فارغ ھوئے اور پوچھا کہ یہ دونوں صاحب کون ھیں - عبدالرحمن نے ھمارے نام بتائے کچھہ اُلٹے سیدھے خاندانی حالات بھي بیان کئے اس کے بعد ھماري مصیبت کا بھي ذرا سا تذکرہ کیا اور خاموش ھو گئے - میں نے دل میں کہا " پرائے برتے کھیلا جوا ' آج نہ موا کل موا " اب میاں عبدالرحمن کو رھنے دو جو کچھہ کہنا ھے خود کہہ ڈالو - کہیں ایسا نہ ھو کہ یہاں سے بھي بے نیل مرام با ضابطہ پسپائي ھو - میں نے نہایت رقت آمیز لہجے میں اپنی مصیبت کا تذکرہ شروع کیا ' فرمانے لگے تو عربي چھوڑ دو سائنس پڑھو - بیٹا آج کل مسلمانوں کو سائنس کی بڑی ضرورت ھے - ھمارے یہاں مثل ھے " پڑھیں فارسي بیچیں تیل یہ دیکھو قدرت کے کھیل " فارسی پڑھکر تو تیل بیچ لوگے عربی پڑھہ کر تیل بھي بیچنا نہ آئے گا " -

---

اس سلسلہ میں بے جا نہ ھوگا اگر یہاں مرزا صاحب کے مضمون (منقولہ بالا) کا ایک اور حصہ ناظرین کے ملاحظہ کے لئے پیش کر دیا جائے -

''.......... محاوروں کي بھرمار کے متعلق اکثر مجھہ سے ان کا جھگڑا ہوا کرتا تھا میں ہمیشہ کہا کرتا تھا ' مولوي صاحب (ڈاکٹر نذیر احمد صاحب) اپنے محاوروں کی کوئی فہرست تیار کر لي ہے اور کسي نہ کسي محاورہ کو آپ کسي نہ کسي جگہہ پھنسا دینا چاہتے ہیں خواہ اس کي گنجائش وہاں ہو یا نہ ہو - جناب والا اہل زبان کو یہ دکھانے کي ضرورت نہیں کہ وہ محاوروں پر حاوي ہے یہ صرف وہ لوگ کرتے ہیں جو دوسروں کو بتانا چاہتے ہیں کہ ہم باہر والے نہیں دہلي والے ہیں .... مجھکو مولوی صاحب کی طرز تحریر پر کوئي رائے ظاہر کرنے کا حق نہیں ہے کیونکہ اول تو میرے لئے ابتدا ہي میں '' خطائے بزرگاں گرفتن خطا است '' کي سب سے بڑي ٹھوکر ہے .... محاوروں کے استعمال کا شوق مولوي صاحب کو حد سے زیادہ تھا تحریر میں ہو یا تقریر میں وہ محاوروں کي ٹھونسم ٹھانس سے عبارت کو بے لطف کر دیتے تھے اور بعض اوقات ایسے محاورے استعمال کر جاتے تھے جو بے موقع ہی نہیں اکثر غلط ہوتے تھے خدا معلوم انھوں نے محاوروں کي کوئي فرہنگ تیار کر رکھی تھي یا ' کہا ایسے ایسے محاورے ان کي زبان اور قلم سے نکل جاتے تھے جو نہ کبھی دیکھیے نہ سنئے .... '' -

محاوروے کي '' ٹھونسم ٹھانس '' پر مرزا صاحب اپنے استاد سے کافي برہم نظر آتے ہیں لیکن جیسا کہ اس سے پہلے عرض کیا جا چکا ہے شاگرد اور استاد ' اس سلسلے میں ایک ہي تھیلي .... نہیں .... ایک ہي ٹھیکرے .... لیکن لاحول ولاقوۃ یہ مرض تو کچھہ متعدي سا معلوم ہوتا ہے !

مرزا صاحب کا یہ مضمون '' مرقع نگاري '' کا بہترین نمونہ ھے - اس کا جواب شاید اردو ادب میں معدوم ھے !!

سجاد علي انصاري مرحوم بي - اے (علیگ) - سجاد اور مہدي (افادی مرحوم) اُردوئے جدید کے رنگ و بو تھے - ان کو اُردو کا نشاۃالثانیہ کہنا روا ھے - ذوق صحیح اور علمیات جدید کا امام آہ کہ دنیا سے ابھي اُتھا ھے - سجاد مرحوم اپنے معتقدات کے اعتبار سے کچھہ ھي کیوں نہ رھے ھوں - ان کے اُتھہ جانے سے اُردو کي محفل میں ایسي جگہہ خالي ھوئي ھے جس کا مستقبل قریب میں پُر ھونا آسان نہیں ھے - وہ متعصب نہیں فصاد تھے اور بے پناہ اور کامل‌الفن فصاد - اُنھوں نے '' بدمذاقي '' اور '' بدتوفیقي '' کي رگ و پے پر خوب خوب نشتر زنی کي ھے - انھوں نے فریب کو کبھي پنپنے نہ دیا - بعض طبائع کو ان سے ناگواري بھي پیدا ھوئي لیکن ' بناء مخاصمت ' معتقدات تھے نہ کہ ان کا آرٹ ! واقعہ یہ ھے کہ سجاد کو فریب سے دشمني تھي اور وہ بھي ازلي ' وہ ھر فریب سے بیزار تھے خواہ اس کا اثر دوسروں پر پڑتا یا اس کا مورد خود '' فریبي '' ھوتا - وہ مذھب نھیں '' مذھبي '' کے درپے تھے - اس میں شک نہیں وہ اصلاح کے قائل نہ تھے ان کا ایمان صرف جہاد پر تھا - جہاد کامیاب ھوا ھو یا نہ ھو سجاد یقیناً کامیاب رھے !

سجاد مرحوم کا عقیدہ تھا کہ لطافت خیال ھي خلاصہ کائنات ھے اور لطافت خیال معتقدات کي کورانہ پیروي سے بالا تر ھے - سجاد کي خصوصیت انشا یہ تھي کہ وہ جو کچھہ کہنا

چاھتے تھے جلد از جلد اور کم سے کم الفاظ میں کھدیا کرتے تھے - طنزیئین کا مسلک یہ ھونا چاھیے کہ دوسروں کے جذبات کا احترام کرنے سے قبل واقعات کی ترجمانی کریں - اگر یہ نہیں تو پھر اسے طنزیات نہیں سیاسیات قرار دینا چاھیے اسي وجہ سے طنزیات کي وادی نہایت پر خطر ھے ' یہاں مفاھمہ نہیں صرف مصادمہ ھے - نظر بر اں اس فریضہ سے عہدہ بر آ ھونے کے لئے انتہائی جراءت ' صحت ذوق اور قدرت بیان کي ضرورت ھے - سجاد مرحوم ان صفات کے مسولیني تھے ' قوموں کي مانند ادبیات کي زندگي میں بھي ایک دور ایسا آتا ھے جب اس میں مصطفی کمال اور مسولیني کا پیدا ھونا ناگزیر ھو جاتا ھے -

سجاد مرحوم کے مضامین کا مجموعہ ' محشر خیال ' کے نام سے شائع ھو چکا ھے ' یہاں جستہ جستہ اقتباسات پیش کئے جاتے ھیں -

" تجلیات "

" مدعیان علم و حکمت عقلمندوں کو گمراہ کرنا چاھتے ھیں اور مدعیان زھد و تصوف بیوقوفوں کو .... آج کل اعمال حسنہ کی تلقین صرف وہ بد مزاق کر سکتا ھے جس میں زاھد خشک کي بد نصیبیاں اور جوان صالح کي بد توفیقیاں فطرت کي طرف سے ودیعت کي گئي ھوں .... "

" سعی ناکام دعاء مقبول سے برگزیدہ تر ھے ' کوششوں میں عظمت انسانی مضمر ھے لیکن دعا انسانیت کا ایک اعلان شکست ھے جس کے ذریعہ سے انسانی مجبوریوں کا راز ان فرشتوں پر بھي منکشف ھو جاتا ھے جو کسي طرح اس انکشاف کے اھل

نہیں .... علما ہر مسئلہ کو صرف و نحو سے سمجھانا چاہتے ہیں - یہی سلوک انہوں نے خدا کے ساتھہ بھی کرنا چاہا لیکن وہ قادر اور توانا ہے - اس نے انسانی دماغ کو کامل شکست دیدی - وہ جانتا ہے کہ انسان فلسفہ اور منطق کے ہر کلیہ سے اس کو محصور کرنا چاہیگا - اسی لئے حفظ ماتقدم کے اصول پر اس نے اپنی ذات میں تمام متضاد صفات مجتمع کر لیں تاکہ انسان کی عقل بیکار ہو جائے - اس کی ہر منطق مجبور اور اس کا ہر فلسفہ لایعنی ثابت ہو ''

'' مذہب و اخلاق ''

'' .... ایران کے متعلق دنیا کو یہ غلط فہمی ہے کہ وہ ایک طور ہے جس پر حقائق رنگیں کی تجلیاں پرتوافگن ہوتی ہیں -

لیکن میں اس کا قائل نہیں - اگر ایرانیوں میں مذاق سلیم کی نیرنگیاں اور حِسِ لطیف کی رنگینیاں ہوتیں تو وہ قرۃالعین کی بربادیوں کے متحمل نہ ہو سکتے اگر کوئی صحیح موقعہ سلطنت کے نظم و نسق '' علماء کرام '' کے اجتہاد اور جماعت کے طریقہ کار کے خلاف بغاوت کرنیکا تھا تو یہی تھا جب قرۃالعین عبرت ناک مظالم کے ساتھہ ہلاک کر دیگئی - ان سفاکیوں کی ذمہ دار حقیقتاً وہ جماعت ہے جو زعم کثرت میں انفرادی عظمتوں کو برباد کرتی رہتی ہے اور وہ '' پاسبانان مذاہب '' جو ہمیشہ پاسبانی کے پردہ میں بہیمیت کے کرشمے دکھلاتے رہے !

مجھے عقبیٰ سے کوئی دلچسپی نہیں ، البتہ اس کا منتظر ضرور ہوں - میں قرۃالعین کے قاتلوں کا حشر دیکھنا چاھتا ہوں - میرا عقیدہ ہے کہ خدا غلط مواقع پر رحم و کرم کو دخل نہیں دیتا وہ حسن کی لطافتوں کا بھی معرف ہے اور شباب کی رنگینیوں کا بھی - وہ ہرگز نہیں چاھتا کہ اس کے مظاہر لطیف کو دنیا والے اس بے دردی کے ساتھہ پامال کر دیں !

'' حقیقت عریاں ''

فرشتے کی انتہا یہ ہے کہ شیطان ہو جائے - ایک حقیقت جب مٹتی ہے دوسری حقیقت ہو جاتی ہے - خدا نے ابتدا میں صرف فرشتوں کو پیدا کیا تھا اس وقت تخلیق شیطنت کی ضرورت ہی نہ تھی وہ جانتا تھا کہ خود ملکوتیت میں عناصر شیطنت مضمر ہیں - سلسلۂ ارتقاء سے شیطان خود بخود پیدا ہو جائے گا معلم‌الملکوت کی فطرت میں ملکوتیت کے وہ تمام عناصر مکمل ہو چکے تھے جو تخلیق شیطنت کے لئے لازمی تھے - فطرتاً اس کے لئے یہ محال تھا کہ ایک لمحہ کے لئے بھی اپنی ملکوتیت پر قانع رہے - وہ شیطنت پر مجبور ہوگیا اس کے سامنے ایک نئی حقیقت کی وسعتیں پیدا ہو گئی تھیں - وہ کسی طرح فرشتہ نہیں رہ سکتا تھا .... شیطنت ایک حقیقت تھی جسے کوئی فرشتہ نہیں جھٹلا سکتا تھا .... ''

مولانا نیاز فتحپوری نے ایک جگہہ لکھا ہے ؛

'' مزاح نگار کی حیثیت سے اس وقت پطرس ، رموزی ، رشید اور عظیم چغتائی بہت مشہور ہیں .... چغتائی صاحب

کي مزاح نگاري اکثر و بيشتر منحصر ہوتي ھے صرف پلاٹ يا واقعات پر يعني وہ حالات ايسے پيش کرتے ھيں جو مشاھدے کے بعد يوں بھي ھر شخص کو ھنسا سکتے ھيں رموزي کي مزاح نگاري منحصر ھے اس امر پر کہ وہ الفاظ يا فقروں کا استعمال ان کے عام متبادر معني سے ھٹ کر کرتے ھيں - رشيد صاحب کي مزاح نگاری کا دور اولين فلسفيانہ مزاح نگاری کا بہترين نمونہ تھا - ليکن اب ايسا معلوم ھوتا ھے کہ شايد ان کا دماغ زيادہ تھک گيا ھے اور وہ غور و تامل کي کلفت ميں نہ خود مبتلا ھونا چاھتے ھيں نہ کسي اور کو مبتلا کرنا چاھتے ھيں تاھم کوئي نہ کوئي سنجيدہ نتيجہ ان کي تحرير سے ضرور پيدا ھوتا ھے - پطرس کي مزاح نگاری بڑي حد تک مغربي رنگ کي ھے جس ميں واقعہ و انداز بيان دونوں سے مضحک کيفيات پيدا کيجاتي ھيں ليکن نتيجہ کے لحاظ سے ھمارے لئے يہ کہنا دشوار ھو جاتا ھے کہ اس ميں واقعي کسي تلخ حقيقت (grim reality) کا مطالبہ پيش کيا گيا ھے - حالانکہ ايک مزاح نگار کا حقيقي کمال يہي ھے - شوکت کي مزاح نگاري بھي اس خصوصيت سے معرا ھے اور وہ بھي قطعی طور پر اپنے موضوع سے گذرنا چاھتے ھيں ليکن اس کے ساتھہ ان کے يہاں زبان کا لطف ، مشاھدہ ، جزئيات اور لطافت خيال يہ سب اس قدر خوبي کے ساتھہ ملے ھوئے نظر آتے ھيں کہ وہ اپنی فضا خاص پيدا کر ليتے ھيں .... " -

" پطرس ، رموزي ، اور عظيم چغتائي کے بارہ ميں مولانا نياز نے جو کچھہ فرمايا ھے اس کے صحيح يا غير صحيح ھونے کی ذمہداری خود ان پر يا پھر اس " تثليث " يا

بقول[1] شخصے ''تگدم'' پر عائد ہوتی ہے - البتہ '' رشید صاحب '' کے متعلق جو کچھہ ارشاد ہوا ہے اس کا کم سے کم یہ فقرہ

'' شاید ان کا دماغ زیادہ تھک گیا ہے ''

قطعاً صحیح ہے بشرطیکہ دماغ کے ساتھہ اب قلم بھی شامل کر لیا جائے - چنانچہ بقیہ آیندہ اڈیشن میں !

---

۱ - تثلیث کا مفہوم تگدم سے ادا کرنا ' یاد نہیں آتا کسکی جدت طبع ہے - ممکن ہے خود میری ہو ممکن ہے کسی اور '' صدیقی '' کی ہو -

اغلاط نامه

صفحه — سطر	غلط	صحیح	صفحه — سطر	غلط	صحیح
۲ — ۶	معمولي	معمول	۴ — ۱۰	کا پہلو	کا یہ پہلو
۲ — ۷	ہوتے	ہو گئے	۴ — ۱۹	اسیمتّن	اسیٹّن
۲ — ۱۴	دیوتاؤں	...	۴ — ۲۰	کے	کي
۳ — ۱۱	اُنہیں	اِنہیں	۱۱ — ۵	غیر	..
۳ — ۱۴	,,	,,	۱۲ — ۱۶	خیطبانہ	خطیبانہ
۳ — ۱۹	ہونے لگا	رکھنے لگے	۱۴ — ۵	راقم اسطور	راقم السطور
۴ — ۱۰	اسباپ	اس باب	۱۷ — ۲۰	برتّاسکا	برتّانیکا
۴ — ۲۲	Laux	Lanx	۱۸ — ۱۶	فرد	فرو
۹ — ۱۲	کچھ بعد	کچھ عرصہ بعد	۱۸ — ۱۶	لعن طعن	لعن و طعن
۱۰ — ۴	پیچید	پیچیدہ	۱۹ — ۲	قایم	قدیم

صفحه — سطر	غلط	صحیح	صفحه — سطر	غلط	صحیح
۲۰ —	کی	کے	۲۶ — ۱۳	ناضرین	ناظرین
۱۰ — ۷	تسشیلہ	تمثیلیہ	۳۰ — ۱۲	یر	بر
۲۰ — ۸	کے	کی	۳۱ — ۹	تشیند	نشیند
۲۰ — ۱۱	اِن	اُن	۳۱ — ۲۲	پیامدید	بیا لاید
۲۱ —	صفحہ ۱۹	صفحہ ۲۱	صفحہ ۳۲	۳۱	۳۲
۲۱ — ۱۵	لینڈسے	لنڈسے	۳۳ — ۱۰	اسلہ	اسلحہ
۳ — ۹	اس ز دگی	اس میں زندگی	۳۵ — ۹	گفیتم	گفتیم
۲۴ — ۱۵	لنظوں	الفاظ	۳۶ — ۱	املع	اُملح
۲۵ — ۲	سے	بے	۳۶ — ۱۱	ابوالحق	ابواسحق
۲۶ — ۳	استعدار	استعداد	۳۷ — ۲۱	معزرت	معذرت
۲۷ — ۲۱	اتفات	التفات	۴۰ — ۹	املع	املح

صفحہ—سطر	غلط	صحیح	صفحہ—سطر	غلط	صحیح
۴۳—۷	ایرنی	ایرانی	۸۹—۶	آتی	آتي
۴۷—۱۳	سودا کے	سودا کا	۸۹—۱۴	گوماتی	گرماتي
۴۸—۴	میں	ہے	۸۸—۳	کاشنس	کانشنس
۵۱—۱۳	انھوں فرمایا	انھوں نے فرمایا	۸۸—۸	کڑے	لڑے
۵۱—۲۰	یہ	پہ	۹۵—۱۱	استعفا	استغنا
۶۰—۱	اوت	ادت	۱۰۰—۱۱	ازاد	سرشار
۶۱—۹	جوب	خوب	۱۰۳—۱۸	خیر	جن
۷۶—۱۵	چلک	چاک	۱۰۵—۱۳	اذل	ارذل
۷۷—۱	چہر	چہرہ	۱۱۳—۳	لساالعصر	لسان العصر
۷۹—۷	س	اِس	۱۱۴—۱۶	ھجائیں	ھو جائیں
۸۳—۴	گوئي	کوئی	۱۱۵—۱۶	گھبر	گھیر

صفحہ—سطر	غلط	صحیح	صفحہ—سطر	غلط	صحیح
۱۳۹—	صفحہ ۱۳۶	۱۳۶	۱۴۲—۶	تول	قول
۱۳۹—۲	اس	کي	۱۴۲—۶	تطبق	تطابق
۱۳۶—۳	زیادہ هو	زیادہ سیاہ	۱۴۲—۱۵	قویم	قدیم
۱۳۸—۷	بڑکے	بڑے	۱۴۳—۹	جر	جو
۱۳۸—۱۸	هتیار	هتهیار	۱۴۸—۱۱	کر نہ	کرکے
۱۳۸—۲۲	ملسم	مسام	۱۵۳—۳	لوگرن	لوگوں
۱۳۹—۱۲	شهزدہ	شهزادہ	۱۶۰—۱۹	گریلگے	کرینگے
۱۴۰—۵	نوچ	نوچ	۱۶۷—۱۱	سرقیانہ	سوقیانہ
۱۴۰—۱۳۰	اور	..	۱۹۸—۹	مخائف	صحائف
۱۴۱—۱۷	وهى	دهى	۱۹۸—۱۷	حسن	حُسین
۱۴۱—۲۰	گلسفى	گلنسي	۱۹۹—۸	حسن	حُسین

صفحہ—سطر	غلط	صحیح	صفحہ—سطر	غلط	صحیح
۱۷۹—۱۷	بعیت	بیعت	۲۰۶—۱۱	لپٹے	لپٹے
۱۸۰—۲۲	حکیم برحم	حکیم برهم	۲۰۷—۱۰	خانوانوں	خاندانوں
۱۹۰—۱۹	تغریب	تخریب	۲۰۷—۱۳	فیچ	نیچ
۱۹۲—۳	تغزش	لغزش	۲۰۸—۳	تیز	تن
۱۹۲—۲	الھذي	الهدى	۲۱۰—۱۸	اضطواری	اضطراری
۱۹۵—۹	بلئے	بلائے	۲۱۱—۲۲	نزیر	نذیر
۲۰۲—۱۳	کے	وہ	۲۱۲—۱۷	راشدالغیری	راشدالخیري
۲۰۲—۱۲	وھي	وھبي	۲۱۳—۱۸	تھی	ھے
۲۰۳—۲	ھو	ھوا	۲۲۳—۱۸	دیکھئے	دیکھے
۲۰۴—۱۳	اسفندیار	اسفندیاري			
۲۰۵—۳-۳	سکتات	سکنات			

ہندستانی اکیڈیمی (صوبہ متحدہ) الہ آباد
کی مطبوعات

۱ - از منۂ وسطی میں ہندستان کے معاشرتی اور اقتصادی حالات - از علامہ عبداللہ بن یوسف علی - ایم - اے ' - ایل ایل - ایم سی - بی - اے - مجلد ۱ روپیہ ۴ آنہ -
۲ - ایضاً ایضاً غیر مجلد ۱ روپیہ -
۳ - اُردو سروے رپورٹ - از مولوی سید محمد ضامن علی صاحب ایم - اے - ۱ روپیہ -
۴ - عرب و ہند کے تعلقات - از مولانا سید سلیمان صاحب ندوی ۴روپیہ
۵ - ناتن (جرمن ڈرامہ) مترجمۂ مولانا محمد نعیم الرحمان صاحب - ایم - اے ' ایم - آر ' اے - ایس - ۲ روپیہ ۸ آنہ -
۶ - فریب عمل (ڈراما) مترجمۂ بابو جگت موہن لال صاحب ' رواں - ۲ روپیہ -
۷ - کبیر صاحب - مرتبۂ پنڈت منوہر لال زتشی - ۲ روپیہ -
۸ - قرون وسطی کا ہندستانی تمدن - از رائے بہادر مہا مہوپادھیا پنڈت گوری شنکر ہیراچند اوجھا ' مترجمۂ منشی پریم چند - قیمت چار روپئے
۹ - ہندی شاعری - از ڈاکٹر اعظم کریوی - قیمت دو روپئے
۱۰ - ترقی زراعت - از خانصاحب مولوی محمد عبدالقیوم صاحب ' ڈپٹی ڈائرکٹر زراعت - قیمت چار روپئے
۱۱ - عالم حیوانی - از بابو برجموہن بہادر ' بی - اے ایل ایل - بی - ۲ روپیہ ۸ آنہ -
۱۲ - معاشیات پر لکچرز - از ڈاکٹر ذاکر حسین ' ایم اے ' پی ایچ - ڈی - غیر مجلد ۱ روپیہ - مجلد ۱ روپیہ ۸ آنہ -
۱۳ - فلسفۂ نفس - از سید ضامن حسین نقوی - قیمت ایک روپیہ
۱۴ - مہاراجہ رنجیت سنگھ - از پروفیسر سیتا رام کوہلی ' ایم - اے - قیمت چار روپئے
۱۵ - جواہر سخن جلد اول - مرتبہ مولانا کیفی چریا کوٹی - قیمت مجلد ۵ روپیہ - غیر مجلد ۴ روپیہ ۸ آنہ

سول ایجنٹ کتابستان ' الہ آباد

CALL ۸۹۱٫۴۳۷ صد۲۱ط م ACC. No. ۷۵۴۱۱

AUTHOR صدیقی، رشید احمد

TITLE طنزیات و مضحکات

۸۹۱٫۴۳۷
صد۲۱ط م ۷۵۴۱۱
صدیقی، رشید احمد
طنزیات و مضحکات اردو

Date	No.	Date	No.

Maulana Azad Library
ALIGARH MUSLIM UNIVERSITY

RULES:—

1. The book must be returned on the date stamped above.
2. A fine of Re. 1-00 per volume per day shall be charged for text-books and 10 Paise per volume per day for general books kept over - due